الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

اگر آپ نے دانہ ڈالنے کے وقت دانہ نہیں ڈالا
تو فصل کاٹنے کے وقت ——————
آپ اپنے کھیت سے فصل نہیں کاٹ سکتے

شمارہ ۴۹
دسمبر ۱۹۸۰

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

دسمبر ۱۹۸۰
شمارہ ۴۹

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فسادات کا مسئلہ

کوئی گروہ اپنے کو سراسر مظلوم بتائے اور دوسرے گروہ کو سراسر ظالم قرار دے اور اس صورت حال پر نصف صدی گزر جائے تو یقینی ہے کہ اس کا دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ خدا کی اس دنیا میں یہ ناممکن ہے کہ کوئی گروہ اتنی لمبی مدت تک یک طرفہ طور پر دوسرے گروہ کے اوپر ظلم کرتا رہے، پھر بھی خدا اپنے مظلوم بندوں کی مدد پر نہ آئے۔

"فسادات کا مسئلہ" نامی کتاب میں اس مسئلہ پر اسی نقطۂ نظر سے کلام کیا گیا ہے اور انتہائی غیر جذباتی انداز میں قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخی واقعات سے اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے۔

موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں میں پھیلایا جائے۔

قیمت فی نسخہ دو روپے

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ تحریر فرمائیں۔ ہر خط و کتابت کے ساتھ خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں

المركز الإسلامي للبحوث والدعوة (بدلهي)

نشأت فكرة **المركز الإسلامي للبحوث والدعوة** في نشر التعاليم الإسلامية بأسلوب عصري يخاطب المثقفين المسلمين وغير المسلمين ، وهذا المشروع نتاج سنوات طويلة من الجهود التي قام بها الأستاذ (وحيد الدين خان) ، الباحث والمفكر الإسلامي المعروف في شبه القارة الهندية ، الذي لقيت كتبه إقبالا كبيراً في العالم العربي ، وأحد كتبه « **الإسلام يتحدى** » مقرر في المنهج الدراسي بكل من **جامعة الأزهر وجامعة طرابلس** . وأول مشروع نشري بدأه المركز هو **مجلة (الرسالة) الشهرية باللغة الأوردية** ، التي تقدم دراسات جادة عن الإسلام وقضايا العصر الحديث .

وقد بدأ نشر بعض المقالات المختارة من (الرسالة) في سلسلة كتابية من بيروت بعنوان « **الإسلام والعصر الحديث** » ومن القاهرة ضمن سلسلة « **نحو وعي إسلامي** » .

وفي خطط المركز الإسلامي : نشر الأبحاث والمجلات **وإنشاء جامعة الدراسات القرآنية** بهدف دراسة علوم القرآن الكريم ، وإعداد مجموعة كتب متخصصة في الدعوة الإسلامية بالأسلوب العصري وبمختلف اللغات الحديثة . ومن الكتب التي نشرتها مكتبة الرسالة التابعة للمركز : (**الإسلام**) (١٧٦ صفحة) و (**ظهور الإسلام**) (١٩٩ صفحة) باللغة الأوردية . ومن المنتظر أن تظهر ترجمة كاملة بالعربية والإنجليزية لهذه الكتب خلال سنة ١٩٨١ م ، والمركز يخطط للتوسع في نشاطه حتى يصبح مؤسسة عالمية لنشر الإسلام في الهند وخارجها .

مجلة «الفيصل» (الرياض) محرم ١٤٠١هـ

اسلامی مرکز، دہلی

سعودی عرب کے ایک ذمہ دار وفد نے، ۱۹۸۰ کے آغاز میں ہندوستان کا دورہ کیا تھا۔ انھوں نے ملک کے مختلف اسلامی اداروں کا بچشم خود معائنہ کیا۔ اس سلسلہ میں وفد کے ارکان ۲۱ فروری ۱۹۸۰ کو دفتر الرسالہ (دہلی) میں بھی آئے اور الرسالہ اور اسلامی مرکز کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کیں اور اس کے پروگرام کی بابت تبادلہ خیال کیا۔ واپسی کے بعد وفد کے ایک رکن ڈاکٹر عبد العلیم عُویس (استاد جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض) نے مشاہدات سفر قلم بند کئے۔ یہ روداد ریاض کے مشہور ماہوار مجلہ الفیصل میں شائع ہوئی ہے۔ یہاں اسلامی مرکز (دہلی) سے متعلق روداد کے حصہ کا ترجمہ (مطبوعہ محرم ۱۴۰۱ھ) اور اس کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

اسلامی مرکز (برائے تحقیق و دعوت) کا قیام اس لئے ہوا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عصری اسلوب میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے لایا جائے۔ یہ اسلامی منصوبہ استاذ وحید الدین خاں کی سالہا سال کی محنتوں کا نتیجہ ہے جو کہ برصغیر ہند کے مشہور محقق اور اسلامی مفکر ہیں۔ ان کی کتابوں کو عرب دنیا میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ان کی ایک کتاب (الاسلام یتحدی (مذہب اور جدید چیلنج) مصر کی جامعہ ازہر اور لیبیا کی جامعہ طرابلس میں درسی نصاب کے طور پر داخل ہے۔

اسلامی مرکز (دہلی) نے اپنے اشاعتی منصوبہ کو الرسالہ کے اجراء سے شروع کیا ہے۔ اس اردو ماہنامہ میں اسلام اور عہد حاضر کے مسائل کے بارے میں اہم مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ ماہنامہ الرسالہ کے منتخب مقالات کو عربی زبان میں علیحدہ کتابی صورت میں شائع کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے۔ الرسالہ کے مضامین کے یہ عربی ترجمے بیک وقت بیروت سے بعنوان (الاسلام والعصر الحدیث اور قاہرہ سے مجموعۃ اسلامی کے سلسلے کے تحت شائع کئے جا رہے ہیں۔

اسلامی مرکز (دہلی) کے منصوبوں میں سے یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں رسائل اور کتابیں (جدید عربی اسلوب میں) شائع کی جائیں۔ اس کے علاوہ قرآنی طرز پر ایک درس گاہ کا قیام اس کے منصوبوں میں شامل ہے جس کا مقصد علوم قرآنی کی تعلیم کا انتظام ہوگا۔ اسلامی مرکز اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر تحقیقی کتابوں کا ایک سٹ تیار کرنے کا پروگرام بھی رکھتا ہے جو کہ عہد حاضر کے علمی اسلوب میں ہوں گی اور وقت کی مختلف اہم زبانوں میں شائع کی جائیں گی۔

اسلامی مرکز کے تحت قائم شدہ مکتبہ الرسالہ نے جو کتابیں شائع کی ہیں ان میں سے الاسلام (۱۰۷ صفحات) اور ظہور اسلام (۱۹۲ صفحات) ہیں۔ یہ کتابیں اصلاً اردو زبان میں ہیں۔ توقع ہے کہ ان کتابوں کا مکمل ترجمہ عربی اور انگریزی زبانوں میں ۱۹۸۱ میں شائع ہو جائے گا۔ اسلامی مرکز اپنی سرگرمیوں کو مزید بڑھانا چاہتا ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کو ملک کے اندر اور ملک کے باہر پھیلانے کا ایک عالمی اسلامی ادارہ بن جائے۔

اس کا ذہن دوسری سمتوں میں کام کرنے لگے۔ وہ اس میں غیر ضروری موشگافیاں پیدا کرے۔ وہ دنیوی مفادات اور گروہی مصلحتوں کو اہمیت دینے لگے۔ یہ دیکھے کہ بات اپنے ذوق کے مطابق ہے یا اپنے ذوق کے خلاف۔ یہ احساس اس کو مغلوب کرلے کہ اگر میں نے اس کو مان لیا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا، وغیرہ۔ ان دونوں راستوں میں سے پہلا راستہ عقل کا راستہ ہے اور دوسرا راستہ گندگی کا راستہ۔ جب کوئی شخص خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتا تو گویا وہ شیطان کو اپنے اندر گھسنے کا موقع دے رہا ہے۔ ایسے شخص کو شیطان اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ وہ دلائل سے ثابت شدہ بات کو اس کی نظر میں گھٹاتا ہے اور دوسری دوسری باتوں کو اسے اہم بنا کر دکھاتا ہے۔ شیطان اپنی تمام گندگیوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اس کو فطرت کے سیدھے راستہ سے ہٹا کر خود اپنے بنائے ہوئے ٹیڑھے راستوں میں بھٹکا دیتا ہے۔

خدا کی طرف سے ہدایت کی توفیق اسی شخص کو ملتی ہے جو خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی کرے۔ خدا کا تخلیقی ڈھانچہ کیا ہے۔ خدا نے ہر آدمی کے اندر ضمیر رکھ دیا ہے جو ہر معاملہ کے وقت اندر سے اشارہ کرتا رہتا ہے کہ کون سا راستہ فطرت کے مطابق ہے اور کون سا فطرت کے خلاف۔ اب خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی یہ ہوگی کہ جس چیز کے بارے میں آدمی کے ضمیر کے اندر کھٹک پیدا ہو اس کو وہ چھوڑ دے اور جس چیز پر اس کا ضمیر مطمئن ہو اس کو پکڑ لے۔ اسی طرح ہر آدمی کے اندر عقل ہے جو اس بات کو سمجھنے کی خداداد صلاحیت رکھتی ہے کہ کیا چیز ثابت شدہ ہے اور کیا چیز ہے جس کے حق میں کوئی حقیقی ثبوت نہیں۔ اب خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی یہ ہوگی کہ آدمی ثابت ہونے والی بات کو لے لے اور جس بات کے حق میں ثبوت نہیں ہے اس کو چھوڑ دے۔ اسی طرح ہمارے گرد و پیش خدا کی ایک پوری دنیا ہے جو کامل درجہ صحت کے ساتھ چل رہی ہے۔ جب بھی ہم کسی معاملہ میں کوئی رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو کائنات کا نظام خاموش زبان میں بتاتا ہے کہ یہ رویہ اس کے مقررہ نظام کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اب خدا کے تخلیقی ڈھانچہ کی پیروی یہ ہوگی کہ آدمی جس رویہ کو خدا کی وسیع تر کائنات کے مطابق پائے اس کو اختیار کرے اور جو رویہ اس کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دے۔

قرآن اسی حق پرستانہ زندگی کو پانے اور اس پر چلنے کے لئے ایک رہنما کتاب ہے۔ قرآن کا رخ عالم کی گائڈ بک ہے۔ اگر آدمی سنجیدہ ہو اور فطرت کی آواز پر دھیان دینے کے لئے تیار ہو تو وہ اس کتاب کی رہنمائی میں ضرور حقیقت کو پالے گا۔ اور جب آدمی سنجیدہ نہ ہو تو الفاظ کی زبان اس پر کام نہیں کرتی۔ ایسا شخص تو اسی وقت جاگتا ہے جب کہ حقیقت پردہ پھاڑ کر عریاناً اس کے سامنے آجائے۔

فطرت سے انحراف

گریٹا گاربو (Greta Garbo) کسی زمانہ میں ہالی وڈ کی مشہور ترین ایکٹرس تھی۔ مگر اب بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد فلمی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کے پرانے دوست بھی سب کے سب اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۰ کو اس نے اپنی ۷۵ ویں سال گرہ تنہا منائی۔ گریٹا گاربو کے سوانح نگار نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو اس بات پر افسوس ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی جس کی وجہ سے آج آپ کی تنہائیوں کا کوئی ساتھی نہیں۔ گریٹا گاربو نے غمگین لہجہ میں جواب دیا: میرا خیال ہے کہ میرا شادی نہ کرنا ایک غلطی تھی (ہندستان ٹائمس ۲۱ ستمبر ۱۹۸۰)

(Not getting married was a mistake)

خدا نے انسان کو جوڑے کی صورت میں بنایا ہے۔ مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے مل کر انسانیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ پھر زندگی کی نوعیت کچھ اس قسم کی ہے کہ اس ملاپ کا مستقل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے خدا نے نکاح کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ نکاح ایک مرد اور ایک عورت کو مستقل خاندانی تعلق میں جوڑتا ہے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے جڑ کر خود اپنے تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور سماج کے تقاضوں کی بھی۔

مغربی زندگی میں آزادی کے غلط تصور کا یہ نتیجہ ہوا کہ شادی کو بندھن خیال کیا جانے لگا۔ اس کے نتیجہ میں جو آزادانہ زندگی پیدا ہوئی اس نے بے شمار خاندانی اور سماجی مسائل پیدا کر دئے۔ انھیں میں سے ایک وہ ہے جس سے گریٹا گاربو جیسی عورتیں دوچار ہوتی ہیں۔ جوانی کی عمر میں جب کہ ان کے اندر مردوں کے لئے کشش ہوتی ہے وہ ہر جگہ رفیق محفل بنی رہتی ہیں۔ ان کو روزانہ ایسے تفریحی پروگرام ملتے رہتے ہیں جن میں مصروف رہ کر وہ اپنے صبح و شام گزارتی رہیں۔ مگر جب عمر زیادہ ہوتی ہے اور وہ جنس مخالف کے لئے اپنی نسوانی کشش کھو دیتی ہیں تو اچانک ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی تمام سرگرمیاں محض مصنوعی سرگرمیاں تھیں۔ دوستیاں اور تعلقات اس طرح چھوٹ جاتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں درخت کے پتے۔ اس وقت انھیں معلوم ہوتا ہے کہ مستقل وفاداری کو بندھن سمجھنا ان کی کتنی بڑی غلطی تھی۔ ان پر یہ کھلتا ہے کہ اب تک وہ خوابوں کی دنیا میں تھیں۔ ان کی رونقوں سے بھری زندگی اچانک ایک سونے گھر میں تبدیل ہو جاتی ہے جہاں ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہوتی کہ کتے اور بلی پال کر دل بہلاتی رہیں۔ ان کا کوئی رفیق حیات نہیں ہوتا جو خوشی اور غم میں ان کا شریک ہو۔ ان کے سامنے اپنے بچوں کا وہ "باغ" نہیں ہوتا جن کی صورت میں ایک آدمی اپنی ختم ہوتی ہوئی زندگی کے تسلسل کو دیکھ کر مطمئن ہوتا ہے۔ ان کے آس پاس کوئی "اپنا" نہیں ہوتا جس کو اپنی زندگی کا اثاثہ سونپ کر وہ سمجھیں کہ انھوں نے دنیا میں بے کار محنت نہیں کی۔ ان کو گوشت پوست کی کوئی ایسی دنیا نظر نہیں آتی جس کو وہ اپنا سمجھیں اور جو انھیں اپنا سمجھے۔ ایسے لوگ بھری ہوئی کائنات میں بالکل تنہا ہو کر رہ جاتے ہیں اور یقیناً کسی آدمی کے لئے تنہائی سے بڑی کوئی سزا نہیں۔

اختلاف کا نقصان

پندرھویں صدی میں عرب تاجر جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان اور بیرونی دنیا کے درمیان تمام بری اور بحری راستوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ وہ ان کے ذریعہ نہایت کامیاب تجارت کر رہے تھے۔ مگر سولھویں صدی کے آغاز سے تاریخ بدلنا شروع ہوئی۔ واسکوڈی گاما (۱۴۶۰-۱۵۲۴) نے یورپ اور ہندوستان کے درمیان بحری راستہ دریافت کیا۔ اس کے بعد پرتگالی تاجروں کے قافلے اس علاقہ میں داخل ہونے لگے۔ دھیرے دھیرے انھوں نے ہندوستان کی بیشتر ساحلی تجارت پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کو اپنی ہوشیاری سے اس علاقہ کی تجارت سے بے دخل کر دیا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے گرم سالے بیرونی ملکوں میں بہت اچھی قیمت پر فروخت ہوتے تھے۔ پرتگالی جہاز یہاں سے سیاہ مرچ، دار چینی، لونگ، جاوتری وغیرہ قیمتی پیداوار اپنے جہازوں میں بھر بھر کر لے جانے لگے اور مسلمانوں کے پاس صرف ڈلی اور ناریل کی عمومی تجارت رہ گئی۔ مسلمان صرف انھیں چیزوں کی تجارت کر سکتے تھے جن کو پرتگالی لائق اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ تمام اہم اور فائدہ بخش چیزوں کی تجارت پرتگالیوں نے اپنے قبضہ میں لے رکھی تھی۔ پرتگالیوں نے اپنی ہوشیاری سے ساحلی راجاؤں کو اپنا مطیع بنا کر بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ملاکا، اشی، دناسری، وغیرہ خشکی کے راستے انھوں نے عربوں کے لئے بند کر دئے۔ حتی کہ ان کے امان اور ان کے اجازت نامہ کے بغیر کوئی اس علاقہ میں بحری سفر نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی عمومی تجارت بھی پرتگالی جہازوں کے ذریعہ ہوتی تھی۔

مسلمانوں کی تجارتی کامیابیوں کے جلو میں اس علاقہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔ خصوصاً ساحلی علاقے بہت بڑے پیمانہ پر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا مرکز بن گئے تھے۔ عین اس وقت اس علاقہ کی سیاست اور اقتصادیات پر پرتگالیوں کا قبضہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اسلامی سرگرمیاں ٹھپ ہو گئیں۔ اسلام کی اشاعت کا کام رک گیا۔ ایک تاریخ بنتے بنتے رہ گئی۔

مسلمانوں کے اوپر پرتگالیوں کی فتح کا راز کیا تھا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی تھی۔ جب کہ پرتگالی حد درجہ اتفاق و اتحاد کے ساتھ کام کرتے تھے، سیاح زین الدین نے لکھا ہے:

"پرتگالی بڑے ہوشیار، فریبی اور اپنی مصلحت کے بڑے ماہر ہیں۔ ضرورت کے وقت اپنے دشمنوں کی خوشامد کرنے میں بھی ان کو عار نہیں ہوتا۔ ان میں بڑا اتحاد ہے۔ وہ اپنے سرداروں کے حکم سے کبھی سرتابی نہیں کرتے۔ اپنے دار الحکومت سے دوری کے باوجود ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا۔ آج تک یہ سننے میں نہیں آیا کہ انھوں نے اقتدار کے حصول کے لئے اپنے کسی بڑے آدمی کو قتل کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تعداد کی کمی کے باوجود وہ مالا بار وغیرہ کے راجاؤں کو اپنا مطیع بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ان کی فوج اور ان کے سرداروں میں بہت اختلاف ہے۔ ان کا حصول اقتدار کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اس کی خاطر وہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔" (تاریخ الحضارۃ العربیہ از محمد کرد علی شامی)

اعلیٰ کردار کی ایک مثال

مشرقی بنگال مسلم دورِ حکومت میں دہلی کی مرکزی سلطنت کے ماتحت تھا۔ درمیان میں کئی بار ایسا ہوا کہ وہاں کا گورنر مرکز سے باغی ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ انھیں میں سے ایک سلطان غیاث الدین ہے جس نے دہلی کی مرکزی سلطنت سے بغاوت کر کے مشرقی بنگال میں خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ اس زمانہ میں ڈھاکہ کا شہر وجود میں آیا تھا اور حکومت کا مستقر سونار گاؤں تھا۔ اس مسلمان بادشاہ کا ایک واقعہ ایک انگریز مورخ ایف بی بریڈلے برٹ (Bradley Birt) نے نقل کیا ہے۔ اس کی کتاب DACCA: The Romance of one Eastern Capital کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ لندن ۱۹۰۴ء میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے:

"ایک دن شاہ غیاث الدین تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ اتفاق سے اس کے تیر سے ایک بیوہ عورت کا اکلوتا لڑکا زخمی ہو گیا۔ بیوہ عورت کو معلوم نہ تھا کہ یہ تیر بادشاہ نے چلایا ہے۔ وہ قاضی شرع کے پاس فریاد لے کر گئی۔ قاضی نے اپنی فراست سے اندازہ لگایا کہ یہ تیر بادشاہ کا ہی چلایا ہوا تھا۔ وہ دیر تک مذبذب رہا کہ بادشاہ کے خوف اور خوفِ خدا میں سے کس کو ترجیح دوں۔ بالآخر خدا کا خوف قاضی صاحب پر غالب آیا اور انھوں نے بادشاہ کو جواب دہی کے لئے اپنی عدالت میں طلب کیا۔ بادشاہ کو جونہی بلاوا پہنچا وہ بلا کسی تامل کے قاضی کی عدالت کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اس نے اپنے کپڑوں میں ایک چھوٹی سی تلوار بھی چھپا لی۔ قاضی صاحب نے عدالت میں بادشاہ کا کسی قسم کا احترام نہیں کیا۔ اور معاملہ کی جانچ کے بعد حکم دیا کہ وہ اس بیوہ عورت کو معقول مالی معاوضہ دے کر اس سے اپنا قصور معاف کرائے بادشاہ نے بے چون وچرا اس حکم کی تعمیل کی اور بیوہ عورت کو ایک بڑی رقم پیش کر کے اس سے اپنا قصور معاف کرایا۔ مقدمہ ختم ہونے کے بعد قاضی صاحب اپنی کرسی عدالت سے اٹھ کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑے۔ بادشاہ نے فوراً انھیں اٹھایا اور وہ تلوار ان کو دکھائی جو وہ اپنے کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھا اور کہا کہ یہ تلوار میں اس لئے لایا تھا کہ اگر تم میرے اس مقدمہ میں شریعت کے حکم سے ذرا بھی روگردانی کرو گے تو میں تمھارا سر اڑا دوں گا۔ لیکن تم نے شرع کے مطابق فیصلہ صادر کرنے میں میرا کوئی خوف نہیں کیا اس کے لئے تم انتہائی اعزاز کے مستحق ہو (صفحہ ۵۵-۵۶)

شریعت کی پابندی کی یہ مثال قائم کرنے والے بادشاہ کا مقبرہ اس کتاب کی اشاعت کے وقت تک سونار گاؤں میں موجود تھا (صدق جدید ۳ مئی ۱۹۸۰)

کسی قوم کی ترقی کا راز یہ ہے کہ اس کے اندر اس قسم کے زندہ افراد موجود ہوں۔ زندہ افراد کی موجودگی سے قوم زندہ ہوتی ہے اور زندہ افراد نہ ہونے سے قوم مرجاتی ہے۔ زندہ آدمی وہ ہے جو مصلحت کے مقابلہ میں اصول کو اہمیت دیتا ہو۔ جو اپنی غلطی پر عذرات اور توجیہات کا پردہ ڈالنے کے بجائے اس کو مان لیتا ہو، جو ذاتی شکایت کو نظر انداز کر دے تاکہ اس کی بنا پر کسی کو اپنا دشمن سمجھ لے۔ جو اس وقت بھی ایک انسان کی قدر کر سکے جب کہ اس نے اس کے خلاف کارروائی کی ہو۔

اپنے خلاف

۱۹۷۱ میں آسٹریلیا کے وزیراعظم اور پارلیمنٹری لبرل پارٹی کے صدر مسٹر جان گارٹن تھے۔ پارٹی میں ان کے خلاف شکایت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد پارٹی کی پارلیمنٹری باڈی کی میٹنگ ہوئی جو قاعدہ کے مطابق انھیں کی صدارت میں تھی۔ میٹنگ میں ان کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پیش ہوئی۔ اس وقت حاضر ممبران ۶۶ تھے۔ ووٹ جب لئے گئے تو دونوں طرف ۳۳، ۳۳ ووٹ پڑے۔ یعنی تحریک کے موافق اور مخالف دونوں برابر ہوگئے۔ اب فیصلہ صدر کے ایک زائد ووٹ سے ہونا تھا۔ صدر نے اپنا زائد ووٹ استعمال کیا۔ مگر خود اپنے خلاف۔ اس طرح انھوں نے خود اپنے ہی ووٹ سے شکست کھائی۔ اس کے بعد وہ پارٹی کی صدارت سے علیحدہ ہوگئے اور کہا: جب ممبران کی اتنی بڑی تعداد صدر کے خلاف ہے تو صدر، صدر باقی رہنے کے قابل نہیں۔ (الجمعیۃ دہلی ۲۰ جولائی ۱۹۷۳)

۲۔ انیسویں صدی کے وسط کی بات ہے۔ پھلواری شریف (بہار) میں دو رئیس رہتے تھے۔ ایک کا نام قاضی غلام امام اور دوسرے کا قاضی مخدوم عالم تھا۔ دونوں رشتہ دار تھے۔ کسی وجہ سے دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور مقدمہ بازی کی نوبت آگئی۔ مخدوم عالم سرکاری ملازمت میں تھے۔ اسی دوران ان کا تبادلہ دور کے مقام پر ہوگیا جہاں سے پٹنہ کی عدالت میں تاریخوں پر حاضری سخت مشکل تھی۔ انھوں نے چاہا کہ اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے کسی کو مقرر کردیں۔ کافی سوچنے کے بعد جب کوئی موزوں آدمی سمجھ میں نہ آیا تو وہ اپنے فریق مخالف قاضی غلام امام کے پاس گئے اور کہا کہ میں تبدیل ہو کر ایسی جگہ جارہا ہوں کہ مقدمہ کی پیروی خود نہیں کرسکتا۔ یہ تمام کاغذات آپ کے حوالے ہیں۔ اب آپ ہی میری طرف سے مقدمہ کو دیکھیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے قاضی غلام امام کو اپنے مقدمہ کے کاغذات دے اور سفر پر روانہ ہوگئے۔

قاضی غلام امام کے لئے اس اعتماد کو مجروح کرنا ناممکن تھا جو ان کے فریق نے ان پر کیا تھا۔ انھوں نے مخدوم عالم کے مقدمہ کی پیروی کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور خود اپنے کاغذات کسی دوسرے کے حوالے کردئے۔ اب صورت یہ ہوئی کہ قاضی غلام امام کے اپنے مقدمہ کی پیروی تو دوسرا شخص کر رہا ہے اور وہ خود اپنے سابق مخالف قاضی مخدوم امام کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور یہ سب مصنوعی طور پر نہیں بلکہ حقیقی طور پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ہار گئے اور ان کے مخالف قاضی مخدوم عالم جیت گئے (حسب روایت جعفر شاہ پھلواری، مطبوعہ زندگی ستمبر ۱۹۸۰)

یہ بہادری اور اعلیٰ ظرفی کی بات ہے کہ آدمی اصول کے آگے جھک جائے، نہ کہ وہ اصول کو خود اپنے آگے جھکائے۔ وہ نقصان اور فائدہ اور عزت اور بے عزتی کے خیالات سے اوپر اٹھ کر اصول کے تقاضوں کو اپنائے۔ اسی طرح یہ آدمی کی بہادری اور اعلیٰ ظرفی ہے کہ اگر اس کا مخالف بھی اس کے اوپر اعتماد کرلے تو وہ اس کے اعتماد کو مجروح نہ کرے۔

کام پر انعام

روس کے سابق وزیر اعظم مسٹر خروشچیف اور مسٹر بلگانن ۱۹۵۶ میں ہندستان آئے تھے۔ مسٹر خروشچیف کو بتایا گیا کہ دہلی یونیورسٹی نے طے کیا ہے کہ آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دے۔ انھوں نے طنزیہ انداز میں کہا:

In Russia we have to work for it

روس میں اس کے لئے ہمیں کام پیش کرنا پڑتا ہے (ٹائمس آف انڈیا ۱۲ جون ۱۹۸۰) کسی قوم کی زندگی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس میں خطابات اور مناصب اور اعزازات حقیقی کام کی بنیاد پر دیے جاتے ہوں نہ کہ سیاست اور خوشامد کی بنیاد پر۔ اہلیت کی بنیاد پر جب کسی کو کوئی اعزاز ملتا ہے تو لوگ اس کو ایک ہونے والے واقعہ کی حیثیت سے قبول کر لیتے ہیں۔ لوگوں کے اندر یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ ہم بھی اسی طرح محنت کریں تاکہ ہم کو بھی یہ مقام ملے۔ اس کے برعکس جب اہلیت کے بغیر کسی کو کوئی اعزاز دیا جائے تو لوگوں کے اندر اس کا سخت ردعمل ہوتا ہے۔ اب ایک دوسرے کے بارے میں بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ محنت کر کے پانے کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ اس کے بجائے اِدھر اُدھر کی تدبیروں سے حاصل کرنے کا جذبہ فروغ پاتا ہے اور بالآخر پورے سماج کی فضا خراب ہو جاتی ہے۔

اہلیت کے بجائے دوسری بنیادوں پر انعام دینے کا رواج خود ہمارے مذہبی اداروں میں بھی چل پڑا ہے۔ آج ایک مذہبی ادارہ میں سب سے بڑی لیاقت نیاز مندی ہے اور سب سے بڑی نااہلی یہ ہے کہ آدمی نیاز مند بن کر نہ رہتا ہو۔ ایک آدمی اگر اپنے گروپ کا ہے تو اس کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کیا جائے گا اور اگر وہ اپنے گروپ کا نہیں ہے تو اس کے ساتھ تنگ ظرفی کا معاملہ ہوگا۔ کوئی شخص تنقیدی مزاج رکھتا ہو تو ان اداروں میں اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی اور جو آدمی ہاں میں ہاں ملاتا ہو وہ ہر قسم کے اعزاز کا مستحق سمجھا جائے گا خواہ وہ کتنا ہی نااہل کیوں نہ ہو۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے تمام اداروں میں علم اور محنت کی فضا ختم ہو گئی ہے۔ جہاں مقام حاصل کرنے کے لئے محنت اور قابلیت غیر اہم چیزیں بن جائیں، وہاں کسی کے اندر محنت اور قابلیت کا شوق کیوں پیدا ہوگا۔ آدمی اسی چیز پر اپنی توجہ لگاتا ہے جس کو وہ اپنے لئے عزت اور ترقی کا زینہ سمجھتا ہو۔ جب عزت اور ترقی محنت اور قابلیت کے بغیر سستی چیزوں کے ذریعہ مل رہی ہو تو کون احمق ہوگا جو سستی چیز کو چھوڑ کر مہنگی چیز کا خریدار بنے۔

بلند اخلاقی کی ایک مثال

۲۷ ستمبر ۱۹۷۳ کی بات ہے۔ پنڈی جوئلرس (چاندنی چوک دہلی) میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ سردار بشن سنگھ ہیں۔ ۲۸۔ بی ساؤتھ ایکسٹنشن پارٹ ۲، نئی دہلی میں رہتے ہیں۔ وہ ضلع راولپنڈی کے باشندے تھے۔ تقسیم کے بعد یہاں چلے آئے۔ راولپنڈی سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر گوجر خاں ایک قصبہ ہے، وہاں ان کی زمینداری تھی۔ اسی کے ساتھ وہ اس وقت آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔

انھوں نے اپنے زمانہ کے انگریز افسران کے بہت سے واقعات بتائے۔ ان میں سے ایک واقعہ مسٹر مارسڈن (Marsden) کا تھا جو اس وقت راولپنڈی میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ ۱۹۴۳ کا واقعہ ہے، مسٹر مارسڈن سردار صاحب کے قصبہ میں آئے۔ ان کو گوجر خان کی تحصیل کا معائنہ کرنا تھا۔ تحصیل جانے سے پہلے سردار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سردار صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے۔ مسٹر مارسڈن نے دعوت قبول نہ کی اور وہ تحصیل چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ مسٹر مارسڈن کی کار سردار صاحب کے مکان کے سامنے رکی۔ وہ باہر نکلے تو سردار صاحب نے کہا: اگر آپ نے میری دعوت قبول کر لی ہوتی تو اتنی دیر میں میں نے کھانا تیار کرا لیا ہوتا اور آپ کھانا کھا کر یہاں سے جاتے۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے اب بھی سردار صاحب کی کھانے کی دعوت قبول نہ کی۔ البتہ اپنی لڑکی کو جو اس وقت ساتھ تھی سردار صاحب کے مکان پر چھوڑ دیا اور کہا کہ یہ کل تک آپ کے یہاں رہے گی۔ آپ جو کچھ کھلانا چاہتے ہیں اس کو کھلائیے۔ سردار صاحب حیرت میں تھے کہ یہ معما کیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب خود تو ایک وقت کھانے کے لئے تیار نہیں ہیں اور لڑکی کو کئی وقت کے لئے چھوڑے جا رہے ہیں۔ ان کو متعجب دیکھ کر مسٹر مارسڈن نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ راولپنڈی میں میرے کچھ عزیز آئے ہوئے ہیں مجھے وہاں پہنچ کر ان کے ساتھ کھانا کھانا ہے، کیونکہ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ لوگوں پر یہ تاثر ہو کہ ڈپٹی کمشنر صاحب یہاں آئے اور انھوں نے آپ کے مکان پر کھانا نہیں کھایا۔ اس سے آپ کی عزت پر اثر پڑے گا۔ آپ کی عزت کو بچانے کے لئے میں لڑکی کو آپ کے یہاں چھوڑے جا رہا ہوں:

I want to keep your prestige

بڑا آدمی وہ ہے جو دوسرے کے بارے میں بھی اتنا ہی حساس ہو جتنا کوئی شخص اپنے بارے میں ہوتا ہے۔ جو دوسرے کی بے عزتی کو اپنی بے عزتی سمجھے اور دوسرے کی عزت کو اپنی عزت۔

علم کی واپسی

قدیم ترین زمانہ سے انسانی فکر پر مذہب کا غلبہ تھا۔ اسی کے زیر اثر فلسفہ بنا۔ فلسفہ کا رجحان ہمیشہ یہ رہا کہ عالم کی توجیہ کسی نہ کسی طرح روح یا نفس کی اصطلاحات میں کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفہ کی بنیاد ہمیشہ تصوریت (Idealism) پر رہی ہے۔ تاہم سائنس کے جدید دور میں ایک خاص عرصہ تک انسانی فکر پر مادیت کا غلبہ ہوگیا۔ قدیم زمانہ میں انسانی فکر کے دو دھارے نہیں تھے۔ مگر موجودہ زمانہ میں انسانی فکر تصوریت اور مادیت کے دو دھاروں میں تقسیم ہوگیا۔ اب موجودہ صدی میں یہ فاصلہ بڑی حد تک ختم ہوگیا ہے۔ وائٹ ہڈ کے الفاظ میں "فلسفہ سائنس سے دور ہوگیا تھا۔ مگر اب ذہن اور مادہ کا فرق جیسے جیسے مٹ رہا ہے، فلسفہ دوبارہ اپنی پرانی اہمیت کی طرف واپس آتا جا رہا ہے" Science and the Modern world.

پروفیسر ہیزن برگ (۱۹۰۱—۷۶) کا شمار جدید طبیعیات کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ "انیسویں صدی کے سائنس دانوں کے نزدیک یہ ممکن تھا کہ نفسیاتی مظاہر کی کوئی توجیہ دماغ کی طبیعیات اور کیمیا کے ذریعہ کی جاسکے۔ مگر اب کوانٹم نظریہ کے آنے کے بعد اس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ بلکہ کوانٹم نظریہ کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ فطرت (Nature) کی کامل خارجی تشریح کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اس کے بعد ناممکن ہوگیا ہے کہ فلسفہ اور سائنس اپنی متشدد غیر جانب داری (Armed Neutrality) کو برقرار رکھ سکیں۔ ان کو اب یا تو دوست بن جانا چاہئے یا دشمن۔ اور ان کے درمیان دوستی اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ سائنس وہ امتحان پاس کرے جو فلسفہ اس سے اس کے مقدمات کی بابت لے گا:

> They cannot be friends unless science can pass the examination which philosophy must set to its premises.
>
> Physics & Philosophy, pp. 95-96

نیوٹن (۱۶۴۲—۱۷۲۷) کا ظہور تاریخ میں ایک نئے فکری دور کا آغاز تھا۔ اس کی تحقیق یہ تھی کہ کائنات اپنے متعین قوانین کے تحت عمل کرتی ہے، کچھ طبیعی اسباب ہیں جو واقعات عالم کے پیچھے کارفرما ہیں۔ حتیٰ کہ کائنات کا ماضی، حال اور مستقبل سب علت و معلول کی مسلسل کڑیوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ نیوٹن اگرچہ ذاتی طور پر خدا کو مانتا تھا، مگر بعد کے مفکرین نے کہا کہ جب کائنات کے متعلق معلوم ہوگیا کہ وہ معلوم طبیعی قوانین کے تحت حرکت کرتی ہے تو پھر ایک نامعلوم خدا کو ماننے کی کیا ضرورت۔ اس طرح افکار کی دنیا میں اصولِ تعلیل (Principle of Causation) کا رواج ہوا جو بعد کو پوری طرح خدا اور مذہب کا بدل سمجھ لیا گیا۔ نیوٹن پہلا شخص ہے جس نے اصولِ تعلیل کا علمی انطباق طبیعی دنیا پر کیا۔

ڈاروِن (۱۸۰۹—۱۸۸۲) پر منکشف ہوا کہ یہی اصولِ تعلیل حیاتیات کی دنیا میں بھی کام کر رہا ہے۔

یعنی انسان کی پیدائش اچانک ایک روز کسی خالق کے حکم سے نہیں ہوئی، بلکہ وہ قوانین ارتقاء کے تحت لمبے عمل کا آخری نتیجہ تھی۔ ڈارون بذات خود اس عمل ارتقاء کو ایک خالق (Creator) کا منصوبہ سمجھتا تھا۔ مگر بعد کے مفکرین نے خالق کے تصور کو ڈارون کا ذاتی عقیدہ قرار دیا اور نظریہ ارتقاء کو الحاد کی سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ ان کے نزدیک اس دنیا کا خالق "ارتقاء" تھا نہ کہ کوئی "خدا"۔

مارکس (۱۸۱۸ — ۱۸۸۳) وہ شخص ہے جس نے اس اصولِ تعلیل کو انسان کی سماجی زندگی پر منطبق کیا اور کہا کہ انسانی سماج اور انسانی تاریخ بھی ایک ناگزیر مادی قانون کے تحت سفر کر رہے ہیں۔ سماجی سفر میں جدلیاتی عمل (Dialectical Process) کی کارفرمائی کا تصور اگرچہ اس نے ہیگل (۱۷۷۰ — ۱۸۳۱) سے لیا تھا جو اس عمل کے پیچھے ایک روح عالم (ورلڈ اسپرٹ) کو مانتا تھا۔ مگر مارکس نے روح عالم کے بجائے معاشی قوانین کو جدلیاتی عمل کا ہیرو قرار دیا اور اس طرح ہیگل کی تصوریت (آئیڈیلزم) کو خالص مادیت (میٹیریلزم) میں بدل ڈالا۔

اس طرح تقریباً ڈیڑھ سو سال کے مسلسل عمل سے وہ فکر بنا جس کو جدید الحاد کہا جاتا ہے۔ اس الحاد کا کہنا تھا کہ اب علمی طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک کوئی خدا نہیں ہے بلکہ اسباب و علل (Cause and Effect) کا ایک طبیعی قانون ہے۔ اسی طبیعی قانون نے لمبے عمل کے بعد عالم کو بنایا۔ اسی قانون کے ذریعہ ارتقائی مراحل سے گزر کر انسان تیار ہوا۔ اور پھر یہی وہ قانون ہے جو سماجی عمل کے اندر کارفرما ہے اور انسانی سماج کو غیر ترقی یافتہ حالت سے ترقی یافتہ حالت کی طرف لے جا رہا ہے۔

مگر بیسویں صدی کے آتے ہی ان خیالات کی علمی بنیاد بالکل ڈھ گئی۔ اس صدی کے آغاز میں پلانک اور آئن سٹائن اور ہیزن برگ اور ڈیراک اور رودر فورڈ نے جو تحقیقات کیں اس کے بعد علم کا وہ پورا ڈھانچہ بدل گیا جس کے تحت مذکورہ ملحدانہ مفروضات قائم کرلئے گئے تھے۔ اب اصول تعلیل کا وہ نظریہ بے بنیاد ثابت ہو گیا جس کو انیسویں صدی میں خدا کا علمی بدل سمجھ لیا گیا تھا۔ برکلے کی تصوریت (آئیڈیلزم) سو برس کی معزولی کے بعد، فلسفہ میں دوبارہ واپس آگئی۔

انیسویں صدی علمی دنیا میں الحاد کی صدی تھی۔ یہی صدی ہے جس میں عالم فطرت کے بارے میں کثرت سے نئے حقائق دریافت ہوئے۔ یہ حقائق اگرچہ بذات خود مذہب سے متصادم نہیں تھے۔ مگر ملحد فلاسفہ نے اپنے تعبیری اضافہ سے ان کے اندر الحادی عناصر ڈھونڈ لئے۔ اب ایک پورا نظام فکر ترتیب دیا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنسی دریافتوں نے مذہبی صداقت کی تردید کر دی ہے۔ اب انسان کو فکری یا عملی اعتبار سے مذہب کی کوئی ضرورت نہیں، وہ سب کچھ جو مذہب دیتا تھا یا جس کے لئے مذہب کو ضروری سمجھ لیا گیا تھا، اب انسان اس کو زیادہ بہتر طور پر سائنس کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے۔ مگر بیسویں صدی میں علمی طور پر اس دعوے کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ بعد کی تحقیقات اور بعد کے تجربات نے ایک ایک کر کے ان تمام باتوں کی تردید کر دی جن کی امید سائنس سے قائم کرلی گئی تھی۔

کہا گیا تھا کہ دنیا کے وجود اور اس کی کارکردگی کی توجیہہ کے لئے اب خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ سائنس کی دریافتیں اس کی توجیہہ و تشریح کے لئے بالکل کافی ہیں ۔ مگر جدید معلومات اور تجربات نے انسان کو یہ اقرار کرنے پر مجبور کیا ہے کہ خدا کو مانے بغیر اس دنیا کی توجیہہ ممکن نہیں ۔ حتیٰ کہ خدا اگر موجود نہ ہو تب بھی ہمیں اپنے مسئلہ کے حل کے لئے خدا کو ایجاد کرنا ہوگا :

If God did not exist, it would be necessary to invent Him

کہا گیا تھا کہ حقیقت اعلیٰ کا ادراک کرنے کے لئے انسانی علم سے اوپر کسی علم (الہام) کی ضرورت نہیں ۔ سائنس تمام حقیقتوں کو جاننے کے لئے بالکل کافی ہے ۔ مگر آج سائنس داں متفقہ طور پر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ سائنس ہم کو حقیقت کا صرف جزئی علم دیتی ہے :

Science gives us but a partial knowledge of reality.

کہا گیا تھا کہ انسان کے اندر ذمہ داری کا احساس اور حق شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے خدا کا خوف دلانے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ علمی اور تعلیمی ترقی خود بخود اس قسم کا احساس آدمی کے اندر پیدا کر دے گی ۔ مگر تقریباً سو سالہ تجربہ کے بعد آج کا انسان یہ اقرار کر رہا ہے کہ علم اور اخلاقی احساس لازمی طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہیں ہیں :

Knowlege and moral responsibility are not necessarily interlinked

کہا گیا تھا کہ زندگی کے عیش کے لئے کل کی جنت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ۔ تمدنی تعمیر کے جدید امکانات جو انسان کی دسترس میں آئے ہیں وہ ہماری اسی زمین کو ہمارے لئے جنت بنا دیں گے ۔ مگر تمدنی ترقیوں کے بعد اس سے پیدا شدہ بے شمار مسائل نے انسان کو اس قدر پریشان کر دیا ہے کہ آج کا خوش نصیب انسان جس کو جدید معنوں میں تمام اسباب عیش حاصل ہیں ، وہ حیران ہو کر کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو جدید معیار کے مطابق خوشگوار بنا لیا مگر اس کے باوجود میں اب بھی خوش نہیں :

My life is pleasant, Yet, I am unhappy

کائنات کی مادی تشریح کی ہر کوشش ناکام ہوگئی ۔ زندگی کو مادی ذرائع سے بامعنی بنانا ناممکن نہ ہو سکا ۔ انسان نے خدا کے بغیر جینا چاہا مگر تجربات نے بتایا کہ خدا کے بغیر جینا اس کے لئے مقدر نہیں ۔ ان واقعات نے موجودہ صدی میں ایک نیا فکری انقلاب برپا کیا ہے ۔ علم کا مسافر تھوڑی مدت تک مادیت کی راہوں میں بھٹکنے کے بعد دوبارہ مذہبی حقیقت کی طرف واپس آرہا ہے ۔ اب یہ ناممکن ہوگیا ہے کہ خالص علمی اور عقلی اعتبار سے انسان خدا پرستانہ زندگی کے سوا کسی اور زندگی پر مطمئن ہو سکے ۔ آج کا انسان ، کم از کم امکانی طور پر ، خدا کے اتنا قریب آگیا ہے کہ اس کے اور خدا کے درمیان مصنوعی بے خبری کے سوا اور کوئی پردہ حائل نہیں

ابراہیمؑ کا ایثار

جدید اثری تحقیقات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ۲۱۰۰ ق م میں ہوئی۔ ۱۷۵ سال کی عمر پاکر آپ نے ۱۹۸۵ ق م میں انتقال فرمایا۔ آپ دریائے فرات کے کنارے واقع قدیم شہر ار (UR) میں پیدا ہوئے۔ اس علاقے کو پرانے زمانہ میں بابل کہا جاتا تھا، اب اس کو عراق کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم سورج، چاند اور ستاروں کو پوجتی تھی۔ چنانچہ اس نے اس قسم کے تقریباً دو ہزار خدا بنا رکھے تھے۔ ان میں سورج اور چاند سب سے بڑے تھے۔ مگر حضرت ابراہیم کو اپنی قوم کے دین سے رغبت نہ ہو سکی۔ انسانی بستیوں کے بگڑے ہوئے ماحول میں اپنے لئے کشش نہ پاکر آپ بستی سے باہر نکل جاتے اور تنہائیوں میں زمین و آسمان کے نظام پر غور کرتے۔ ماحول کے فکری دباؤ سے آزاد ہوکر جب آپ سوچتے تو آپ پر نئی حقیقتوں کے دروازے کھلتے ہوئے نظر آتے۔ آپ آسمان میں یہ منظر دیکھتے کہ چاند چمکتا ہے اور پھر ماند پڑ جاتا ہے، ستارے نکلتے ہیں اور پھر ڈوب جاتے ہیں، سورج روشن ہوتا ہے اور پھر رات کی تاریکی میں چھپ جاتا ہے۔ ان واقعات پر غور کرنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ چیزیں جو عروج و زوال کے قانون میں بندھی ہوئی ہیں وہ خدا نہیں ہو سکتیں، خدا تو وہی ہو سکتا ہے جو عروج و زوال کی حد بندیوں سے اوپر ہو۔

یہ آپ کی ایثار و قربانی سے بھری ہوئی زندگی میں پہلا "ایثار" تھا۔ جوانی کی عمر میں آدمی تفریحات میں رہنا پسند کرتا ہے مگر آپ نے خاموش تنہائیوں کو اپنا دوست بنایا۔ اس زمانہ کو آدمی بے فکری میں گزار دیتا ہے مگر اس کو آپ نے سنجیدہ سوچ بچار کی بے قراری کے حوالے دیا۔ اس عمر کو پہنچ کر آدمی مادی لذتوں اور دنیوی ترقیوں کی طرف دوڑتا ہے مگر آپ نے اپنی بہترین گھڑیوں کو حقیقت کی تلاش میں لگا دیا۔ آدمی کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے آباء و اجداد کے مذہب پر چل پڑے مگر آپ نے ایک انقلابی انسان کی طرح رواج کو چھوڑ کر سچائی کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ "جو ہو رہا ہے" کے مقابلہ میں آپ نے "جو ہونا چاہئے" کو ترجیح دی۔ یہ بہت بڑا نفسیاتی ایثار تھا۔ ماحول کے خلاف کسی سچائی کو اختیار کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی اس کے سوا سب کچھ چھوڑنے پر اپنے کو راضی کرے۔ جب آپ نے یہ فیصلہ کیا تو اللہ نے اس کو اس طرح قبول فرمایا کہ آپ پر سچائی کی معرفت کے دروازے کھول دئے اور آپ کو اپنی پیغمبری کے لئے چن لیا۔ یہ خدائی کام آپ کے سپرد ہوا کہ آپ اپنے وقت کے انسانوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کردیں۔

اس کے بعد آپ کے ایثار کا دوسرا شدید ترین دور شروع ہوتا ہے۔ آپ کے زمانہ کا حکمراں نمرود (ارنمو) خدائی بادشاہ بن کر لوگوں کے اوپر حکومت کرتا تھا۔ اس زمانہ کے دوسرے بادشاہوں کی طرح نمرود نے عوام میں یہ عقیدہ بٹھا رکھا تھا کہ اس کو حکومت کرنے کا خدائی حق حاصل ہے۔ وہ کہتا تھا کہ سورج سب سے بڑا معبود ہے اور نمرود کا خاندان اس معبود کا دنیوی مظہر ہے۔ سورج جس طرح "آسمانوں پر" حکومت کر رہا ہے اسی طرح سورج کی اولاد ہونے

کی وجہ سے اس کو یہ حق ہے کہ وہ زمین پر بسنے والوں کا حاکم بنے۔

اس اعتبار سے سورج چاند کی پرستش، اس زمانہ میں محض ایک مذہبی عقیدہ نہ تھی بلکہ وہ اس وقت کی سیاست کی اعتقادی بنیاد بھی تھی۔ موجودہ زمانہ کی سیاست کی نظریاتی بنیاد عوامی حاکمیت ہے، اُس زمانہ کی سیاست کی نظریاتی بنیاد خدائی حق حکمرانی تھا اور یہ خدائی حق حکمرانی اس شاہی خاندان کے لئے مخصوص سمجھا جاتا تھا جو مفروضہ معبود کی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ حضرت ابراہیم کا گھرانا اس نظام میں خاص اہمیت رکھتا تھا کیوں کہ آپ کا باپ آذر [Terah] اس زمانہ کے بت سازی کے "کارخانہ" کا مالک تھا اور شاہی بت خانہ میں افسر اعلیٰ کا درجہ رکھتا تھا۔ وقت کے سیاسی نظام میں اس کو بہت اونچی سیاسی حیثیت حاصل تھی۔ اس کا عہدہ اس زمانہ کے لحاظ سے تقریباً وہی تھا جو آج کل کسی ایسی سیاسی پارٹی کے صدر کا ہوتا ہے جو کسی ملک میں حکمراں پارٹی کی حیثیت رکھتی ہو۔

ان حالات میں حضرت ابراہیم کے لئے بنا بنایا کامیابی کا راستہ یہ تھا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ بنالیں، وہ قائم شدہ نظام کا ساتھ دے کر اس میں اونچا مقام حاصل کرلیں۔ مگر آپ نے دوبارہ ایثار و قربانی کے راستہ پر چلنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے اپنے باپ آذر سے صاف لفظوں میں کہا: کیا تم ستاروں کو خدا مانتے ہو اور ان کی شکلیں بنا کر ان کو پوجتے ہو۔ یہ ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے جس میں میں تم کو اور تمھاری قوم کو دیکھ رہا ہوں (انعام ۷۴)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت کے ستارہ پرستی کے نظام سے اپنے باپ کی طرح موافقت نہیں کی بلکہ وہ اس کے خلاف داعی اور مصلح بن کر کھڑے ہوگئے۔ جس نظام میں اعلیٰ ترین عہدہ ان کا انتظار کر رہا تھا وہ خود اس نظام کو بدلنے کے علم بردار بن گئے۔ انھوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ ناحق کو مان کر اس کے ڈھانچے میں عزت اور ترقی کے خواب دیکھیں بلکہ ناحق کی تردید اور حق کا اعلان کرنے کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھر سے نکال دیے گئے۔ قوم میں حقیر سمجھے جانے لگے۔ خود بادشاہ وقت بھی آپ کا دشمن بن گیا۔ کیونکہ آپ کی تحریک، اس وقت کے حالات میں بادشاہ کو اس کی سیاسی زمین سے محروم کرنے کے ہم معنی تھی۔

چلتے ہوئے نظام سے بغاوت ہمیشہ اس قیمت پر ہوتی ہے کہ اس نظام کے اندر آدمی ہر قسم کے مواقع سے محروم ہوجائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے اس فیصلہ نے آپ کی پوری زندگی کو ایثار و قربانی کی زندگی بنا دیا۔ آپ گھر سے بے گھر کئے گئے۔ خاندانی جائداد میں آپ کا کوئی حصہ نہ رہا۔ باپ کی جانشینی کے لئے آپ نااہل قرار پائے۔ وقت کے سماج میں آپ کی حیثیت ایک اجنبی انسان کی ہوگئی۔ اُر کی تقریباً تین لاکھ کی آبادی میں کوئی آپ کا ساتھی نہ رہا۔ وقت کی حکومت آپ کو خطرہ کی نظر سے دیکھنے لگی۔ کیونکہ آپ اس کے پھیلائے ہوئے اِس توہماتی عقیدہ کی تردید کرتے تھے کہ سورج چاند خدائی ہستیاں ہیں اور اُن کی طرف سے کسی کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ زمین پر لوگوں کا بادشاہ بن جائے۔

حضرت ابراہیمؑ نے پرسکون زندگی کے اوپر مصیبت کی زندگی کو ترجیح دی۔ انھوں نے عوام کے درمیان مقبولیت کے مقابلہ میں عوام کے درمیان اجنبی بن جانے کو پسند کیا۔ وہ عہدہ اور جائداد کو چھوڑ کر خالی ہاتھ ہوجانے پر

قائم ہوگئے۔ بادشاہ وقت کے دربار میں معزز کرسی پر بیٹھنے کے بجائے انھوں نے یہ خطرہ مول لیا کہ بادشاہ کی نظر میں وہ معتوب ہوجائیں اور حکومت کی طرف سے ان کی پکڑ دھکڑ شروع ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ قوم کے اندر بے عزت کئے گئے۔ پھر آپ کو آگ میں ڈال دیا گیا جس سے اللہ نے آپ کو بچالیا۔ اس کے بعد آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ عراق کو چھوڑ دیں اور ملک کے باہر چلے جائیں۔

یہاں سے آپ کی زندگی میں ایثار و قربانی کا ایک اور شدید تر مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ ملک کے معزز ترین خاندان کا ایک فرد اس طرح بے سرو سامانی کی حالت میں اپنے وطن سے نکلا کہ اس کے ساتھ صرف اس کی بیوی سارہ تھی اور اس کا بھتیجا لوط۔ تین آدمیوں کا یہ مختصر قافلہ خانہ بدوشوں کی طرح دریائے فرات کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوا حاران پہنچا۔ پھر بحر ابیض کے ساحلی علاقوں سے گزرتا ہوا شام اور فلسطین اور مصر تک چلا گیا۔ مگر ان مقامات کے لوگ بھی اسی قسم کے غیر خدائی معبودوں کو ماننے والے تھے جن کو نہ ماننے کے جرم میں آپ کو اپنے وطن سے نکلنا پڑا۔ آخر اللہ کی طرف سے آپ کو یہ حکم ہوا کہ تم حجاز کے بے آب و گیاہ علاقہ میں جاؤ۔ وہاں پتھروں اور خشک پہاڑوں کے درمیان خدا کا ایک گھر بناؤ۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم جب مکہ آئے تو اس وقت وہاں نہ کوئی آدمی تھا اور نہ پانی (ولیس یومئذ بمکۃ احدٌ ولیس بھا ماءٌ۔ بخاری، کتاب الانبیاء) وقت کے انسانوں نے خدا کو چھوڑ کر خود اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی پرستش شروع کردی تھی۔ تاہم پتھر اور پہاڑ اب بھی اپنی اصل فطری حالت پر باقی تھے۔ اس فطرت کے ماحول میں آپ کو خدا کا گھر بنانے کا حکم ہوا تاکہ کوئی بندہ جو خالص خدا کی عبادت کرنا چاہے وہ یہاں آکر خدا کی عبادت کرے۔ اب حضرت ابراہیم بحر قلزم کے ساحلی علاقوں سے گزرتے ہوئے موجودہ مکہ کے مقام پر پہنچے اور یہاں بیت اللہ کی تعمیر کی۔ وہ شخص جو عزت اور خوش حالی کی گود میں پیدا ہوا تھا اُس نے حق کی خاطر تنہائی، مسافرت اور تنگ و دشوار زندگی کو اپنے لئے اختیار کرلیا۔

حضرت ابراہیم ۷۵ سال کی عمر میں عراق سے نکلے تھے۔ ۱۰ سال کی مسافرانہ زندگی کے بعد ۲۰۷۴ ق م میں آپ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آپ نے اسماعیل رکھا (اسماعیل کے معنی سمیع اللہ کے ہیں) اس وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ بڑھاپے کی اولاد یوں بھی آدمی کے لئے عزیز ہوتی ہے۔ اور آپ کا حال تو یہ تھا کہ تمام دوستوں اور رشتہ داروں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اب آپ تمام تر اپنے بیوی بچے کے سہارے پر رہ گئے تھے۔ ایسی حالت میں ہونہار لڑکا آپ کے لئے کتنا زیادہ محبوب ہوگا۔ مگر بیٹا جب بڑا ہوا اور آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو ایثار و قربانی کا اور بھی کڑا امتحان سامنے آگیا۔ خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے آخری سہارے سے بھی دست بردار ہوجاؤ۔ اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کردو۔ تورات کے بیان کے مطابق جب قربانی کا حکم ہوا تو اس وقت آپ کے فرزند کی عمر ۱۳ سال تھی۔

حضرت ابراہیم سو سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ خواب کو عام طور پر ایک تمثیل چیز سمجھا جاتا ہے۔ آپ اس کو کسی تعبیری مفہوم میں لے سکتے تھے۔ مگر یہ حضرت ابراہیم کے

ایثار و قربانی کے جذبہ کی انتہا تھی کہ آپ نے خواب کی کوئی تاویل نہ کی۔ آپ اس خواب کو اس کی اصل صورت میں زیر عمل لانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مروہ پہاڑی کے مقام پر تاریخ کا وہ انوکھا واقعہ پیش آیا جس کو دیکھنے کے لئے زمین و آسمان رک گئے۔ بوڑھا باپ اپنے محبوب بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر مداخلت کر کے حضرت اسماعیل کو ذبح ہونے سے بچا لیا۔ آسمان سے آواز آئی کہ بس تم نے تسلیم و وفاداری کا آخری ثبوت دے دیا۔ بیٹے کے بدلے میں اللہ نے آپ کی طرف سے مینڈھے کی قربانی قبول کر لی۔ اس کے بعد یہ عزیمہ مستقل طور پر تمام خدا پرستوں کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ حکم ہوا کہ آدمی اپنی قربانی کے علامتی فدیہ کے طور پر ہر سال انھیں تاریخوں میں جانور ذبح کرے جن تاریخوں میں حضرت ابراہیم خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

حضرت ابراہیم کو جو خواب دکھایا گیا اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے عزیز بیٹے کو دعوت توحید کے مرکز (بیت اللہ) کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ اسی غرض سے حکم ہوا تھا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ کو لے جا کر مکہ کی خشک اور سنسان زمین پر بسا دو۔ مگر اس بات کو چھری سے ذبح کرنے کی صورت میں تمثیل کیا گیا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ دین کی خدمت کوئی معمولی چیز نہیں ہے، یہ اپنے آپ کو جیتے جی ذبح کرنا ہے۔ "ذبح" ایثار و قربانی کی آخری انتہا ہے اور ایثار و قربانی کی آخری انتہا پر پہنچ ہی آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ وہ خدا کے دین کی خدمت کر سکے۔

حضرت ابراہیم کا ایثار صرف یہ نہ تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔ بیٹے کی قربانی تو ایثار و قربانی کے لمبے سلسلے کی صرف آخری صورت تھی۔ آپ کا ایثار یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ لوگ صرف دکھائی دینے والے خداؤں کے لئے اپنی محبتیں اور عقیدتیں وقف کر رہے تھے، آپ نے نہ دکھائی دینے والے خدا کو اپنی محبت و عقیدت کا مرکز بنایا۔ ایسے حالات میں جب کہ ناحق ہر طرح کے مادی دلائل کے زور پر اپنی اہمیت ثابت کر رہا تھا، آپ نے ایک ایسے حق کو پہچانا اور اس کو قبول کر لیا جس کی تائید میں صرف ذہنی دلائل قائم ہو سکے تھے۔ ایسی فضا میں جب کہ باطل کے ساتھ مصالحت کرنے میں آپ کے لئے عزت و ترقی کے دروازے کھلے ہوئے تھے، آپ نے محض سچائی کی خاطر ایک ایسے غیر مصالحانہ راستہ کو اختیار کر لیا جس میں سختیوں اور مشکلات کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں جب کہ لوگ متمدن شہروں میں اقامت کو پسند کر رہے تھے، آپ نے ایک خشک بیابان میں لے جا کر اپنے گھر والوں کو بسا دیا۔ یہ سب کچھ غیر معمولی ایثار و قربانی کے جذبہ کے تحت ہوا۔ ایثار و قربانی کی نفسیات کے بغیر ان میں سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا تھا — خدا پرست بننا اپنے کو ذبح کرنے کی قیمت پر ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے کو ذبح کرنے پر تیار نہ ہو وہ خدا پرست بھی نہیں بن سکتا۔

نوٹ: یہ تقریر ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۰ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

رسول کی پیروی سے

فتح مکہ کے بعد عرب کے قبائل کثرت سے مسلمان ہوئے۔ مگر یہ لوگ زیادہ تر اسلام کا سیاسی غلبہ دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے اندر وہ ذہنی و فکری انقلاب نہیں آیا تھا جو ابتدائی لوگوں میں آیا تھا۔ اسلام کے بعض احکام، خاص طور پر زکوٰۃ ان کی آزادانہ زندگی کے لئے ناگوار برداشت معلوم ہونے لگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ماہ پہلے یمن اور نجد کے علاقوں میں ان کے درمیان ایسے لیڈر ابھرے جو اسلام کا ایسا تصور پیش کرتے تھے جس میں زکوٰۃ کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ ان لیڈروں، مثلاً اسود اور مسیلمہ نے اپنی بات کو خدا کی بات ثابت کرنے کے لئے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ تاکہ جس الہامی زبان میں زکوٰۃ کو فرض کیا گیا ہے اسی الہامی زبان میں اس کی فرضیت کو ساقط کیا جا سکے۔ اس قسم کی "نبوت" ان قبائل کی پسند کے عین مطابق ثابت ہوئی جو زکوٰۃ کو اپنے اوپر ایک بوجھ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جوق در جوق ان جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ساتھ دینا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ان لوگوں کا حوصلہ اور بڑھا اور یہ فتنہ تیزی سے پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ یہ حال ہوا کہ مکہ، مدینہ اور طائف کے سوا تمام عرب میں بیشتر لوگ باغی ہو گئے۔ اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی پھیلنے لگیں کہ یہ لوگ منظم ہو کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری زمانہ میں جو کام کئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے اسامہ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ رومیوں کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف جائے جہاں اس سے پہلے موتہ کے مقام پر رومیوں نے اسامہ کے والد حضرت زید کو شہید کیا تھا۔ یہ لشکر روانہ ہو کر ابھی مدینہ کے باہر پہنچا تھا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی اور وہ خلیفہ اول کے حکم کے انتظار میں وہیں ٹھہر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اس لشکر کو آگے روانہ کرنا چاہا تو بیشتر صحابہ نے اختلاف کیا۔ انھوں نے کہا کہ سارا عرب باغی ہو رہا ہے اور کسی بھی وقت مدینہ پر حملہ ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں لشکر کو مدینہ کے دفاع کے لئے یہاں رکھنا چاہئے نہ کہ ایسے نازک موقع پر اس کو دور بھیج دیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق نے ایسی کسی رائے کو ماننے سے شدت کے ساتھ انکار کر دیا۔

تمام بڑے بڑے صحابہ اسامہ بن زید رض کی سرداری میں مدینہ کے باہر جمع تھے۔ اس وقت لوگوں کے اندر دو باتیں بحث کا موضوع بنی ہوئی تھیں۔ ایک یہ کہ اتنے نازک موقع پر اسلامی لشکر کا مدینہ سے دور

جانا حکمت کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ اسامہ بن زید ایک غلام کے لڑکے تھے اس لئے بہت سے لوگوں کو ان کی سرداری پر انقباض تھا۔ نیز وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اسامہ ابھی صرف سترہ سال کے نوجوان ہیں اور ان کی ماتحتی میں بڑے بڑے صحابہ ہیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ کسی معمر قریشی کو سردار مقرر کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو۔

عمر فاروق رضؓ بھی ابتداءً اس لشکر میں شامل تھے، وہ لوگوں کا پیغام لے کر حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر نے پہلی بات سن کر فرمایا: لشکر کی روانگی کے بعد اگر میں مدینہ میں تنہا رہ جاؤں اور درندے مجھ کو پھاڑ کھائیں تب بھی میں ایک ایسے لشکر کی روانگی کو روک نہیں سکتا جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا ہو۔ دوسرے پیغام کو سن کر آپ نے فرمایا "کیا ان کے دلوں میں ابھی تک جاہلی فخر و تکبر کا اثر باقی ہے" یہ کہہ کر آپ اٹھے اور لشکر کو خود رخصت کرنے کے لئے پیدل چل کر لشکر گاہ تک پہنچے۔ اسامہ بن زید کو ان کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا، جب اسامہ اپنی سواری پر چلے تو آپ ان کے ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے۔ اسامہ نے کہا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں، یا میں سواری سے اتر جاؤں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: نہ میں سوار ہوں گا اور نہ تم کو سواری سے اترنے کی ضرورت ہے۔ یہ خلیفہ اول کی طرف سے گویا لوگوں کے سوال کا عملی جواب تھا۔ خلیفہ کو اسامہ کی رکاب میں چلتے دیکھ کر سب کا انقباض ختم ہو گیا۔

اسامہ کی سرکردگی میں صحابہ کا لشکر رومی علاقہ کی طرف روانہ ہوا تو اس کی خبریں چاروں طرف پھیل گئیں، بہت سے مخالفین کے لئے یہ مسلمانوں کے اعتماد کا مظاہرہ بن گیا۔ انھوں نے سوچا کہ مدینہ کی حکومت کے پاس کافی طاقت ہوگی جبھی تو وہ اس نازک وقت میں اتنا بڑا لشکر دارالسلطنت سے دور بھیج رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے سوچا کہ مدینہ پر اقدام کرنے میں ہم کو توقف کرنا چاہئے۔ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ مسلمانوں اور رومیوں کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہوتی ہے تو وہ اور زیادہ کمزور ہو جائیں گے اور اس کے بعد ان کے اوپر اقدام کرنا زیادہ مناسب ہوگا

اسامہ بن زید کے لشکر کو رومیوں کے خلاف مہم میں زبردست کامیابی ہوئی۔ اس مہم میں ان کو چالیس دن لگے۔ اسامہ بن زید اس مہم کی قیادت کے لئے موزوں ترین شخص تھے۔ کیونکہ ان کے باپ زید بن حارثہ کو رومیوں نے موتہ کی جنگ میں شہید کیا تھا اور ان کے دل میں اپنے باپ کا انتقام لینے کا جذبہ بھڑک رہا تھا۔ اسامہ کی رہنمائی میں اسلامی لشکر انتہائی بے جگری سے لڑا اور رومیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد وہ کافی قیدی اور مال غنیمت لے کر مدینہ واپس آئے۔ یہ دیکھ کر باغیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اور نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ ان کو زیر کر لیا گیا ـــــ رسول کی پیروی ان کے لئے دشمنوں پر غلبہ کا ذریعہ بن گئی۔

اللہ کی راہ میں خرچ

آدمی کے پاس جو کچھ ہے خدا کا دیا ہوا ہے۔ آدمی کی زندگی اور اس کا اثاثہ سب کچھ خدا کی بخشش ہے۔ اس بخشش کا شکریہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ آدمی کو دیا ہے وہ اس کو اللہ کے قدموں میں ڈال دے۔ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا اللہ کے لئے اسی حوالگی کی ایک علامت ہے۔

آدمی دنیا میں جو کچھ کماتا ہے اسی لئے کماتا ہے کہ خدا نے اس کو ہاتھ اور پاؤں دئے ہیں جن سے وہ عمل کرے۔ اس کو آنکھ اور زبان دی ہے جس سے وہ دیکھے اور بولے۔ اس کو دماغ دیا ہے جس سے وہ سوچے اور منصوبہ بنائے۔ اسی کے ساتھ خدا نے آدمی کو ایک ایسی دنیا میں رکھا جو پوری طرح اس کے تابع ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس طرح بنائی گئی ہے کہ انسان اس کو جس طرح چاہے اپنے کام میں لائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی جسم و دماغ کی تمام طاقتیں رکھتے ہوئے بھی دنیا سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر گیہوں کا دانہ فصل کی صورت میں نہ اگے بلکہ پتھر کے ٹکڑے کی طرح زمین میں پڑا رہے تو انسان کے لئے زمین سے غلہ حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔ فطرت کی طاقتیں اگر اپنا مقررہ عمل ظاہر نہ کریں تو نہ بجلی پیدا ہو اور نہ کوئی سواری حرکت کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں انسان جو کمائی کرتا ہے وہ براہ راست خدا کا احسان ہوتی ہے۔ اس احسان کا بدلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی کمائی کو اللہ کے دین کی راہ میں خرچ کرے۔ وہ اس سے اللہ کے کمزور بندوں کی مدد کرے۔ خدا کی دی ہوئی دولت کو وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقوں میں لگائے۔

اللہ کی راہ کا خرچ وہ ہے جو صرف اللہ کے لئے ہو نہ کہ شہرت یا عزت یا بدلہ پانے کے لئے۔ مال کے ذریعہ آدمی اپنے آپ کو دنیا کی مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں دیا ہوا مال وہ ہے جس کو آخرت کی مصیبتوں سے نجات پانے کے لئے دیا جائے۔

اور وہی ہے جو رات میں تم کو وفات دیتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ مقرر مدت پوری ہو جائے۔ پھر اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے۔ پھر وہ تم کو باخبر کر دے گا اس سے جو تم کرتے رہے ہو۔ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر اور وہ تمھارے اوپر نگراں بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب اللہ، اپنے مالک حقیقی کی طرف واپس لائے جائیں گے۔ سن لو، حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۶۲-۶۰

خدا نے یہ دنیا اس طرح بنائی ہے کہ وہ ان حقیقتوں کی عملی تصدیق بن گئی ہے جن کی طرف انسان کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اگر آدمی اپنی آنکھوں کو بند نہ کرے اور اپنی عقل پر مصنوعی پردے نہ ڈالے تو پوری کائنات اس کو قرآن کی فکری دعوت کا عملی مظاہرہ دکھائی دے گی۔

درخت کے تنہ میں شاخ نکلتی ہے اور شاخ میں پتے۔ مگر دونوں کے جوڑوں میں فرق ہوتا ہے۔ گویا کہ بنانے والے کو معلوم ہے کہ شاخ کو اپنے تنے سے جڑا رہنا ہے اور پتہ کو الگ ہو کر گر جانا ہے۔ اگر شاخ کی جڑ کے مقابلہ میں پتہ کی جڑ میں یہ انفرادی خصوصیت، نہ ہو تو پتہ شاخ سے جدا نہ ہو اور درخت کو ہر سال نئی زندگی دینے کا نظام ابتر ہو جائے۔ اسی طرح جب ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے تو زمین میں پہلے سے اس کے لئے وہ تمام ضروری خوراک موجود ہوتی ہے جس سے رزق پاکر وہ بڑھتا ہے اور بالآخر پورا درخت بنتا ہے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ جو خدا پتہ اور دانہ تک کے احوال سے باخبر ہو وہ انسانوں کے احوال سے بے خبر ہو جائے (۵۹)

ہماری زمین ساری کائنات میں ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یہاں کا نظام استثنائی طور پر انسان جیسی ایک مخلوق کے حسب حال بنایا گیا ہے۔ زمین کے اندر کا ایک بڑا حصہ آگ ہے مگر وہ پھٹ نہیں پڑتا۔ سورج انتہائی صحیح حسابی فاصلہ پر ہے، وہ اس سے نہ دور جاتا ہے اور نہ قریب ہوتا۔ آدمی کو ہر وقت ہوا اور پانی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہوا کو گیس کی شکل میں ہر جگہ پھیلا دیا گیا ہے اور پانی کو رقیق سیال کی صورت میں زمین کے نیچے رکھ دیا گیا ہے۔ اس قسم کے بے شمار انتظامات ہیں جن کو زمین پر مسلسل برقرار رکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں معمولی فرق آجائے تو انسان کے لئے زمین پر زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے۔

نیند بڑی عجیب چیز ہے۔ آدمی چلتا پھرتا ہے۔ وہ دیکھتا اور بولتا ہے۔ مگر جب وہ سوتا ہے تو اس کے تمام حواس اس طرح معطل ہو جاتے ہیں جیسے زندگی اس سے نکل گئی ہو۔ اس کے بعد جب وہ نیند پوری کر کے اٹھتا ہے تو وہ پھر ویسا ہی انسان ہوتا ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا۔ یہ گویا زندگی اور موت کی تمثیل ہے۔ یہ معاملہ ہمارے لئے اس بات کو قابل فہم بنا دیتا ہے کہ آدمی کس طرح مرے گا اور کس طرح وہ دوبارہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ سارے انسان خدا کے اختیار میں ہیں اور جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کہ خدا اپنے اختیار کے مطابق انکا فیصلہ کرے۔

کہو، کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے، تم اس کو پکارتے ہو عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر خدا نے ہم کو نجات دے دی اس مصیبت سے تو ہم اس کے شکر گزار بندوں میں سے بن جائیں گے۔ کہو، خدا ہی تم کو نجات دیتا ہے اس سے اور ہر تکلیف سے، پھر بھی تم شرک کرنے لگتے ہو۔ کہو، خدا قادر ہے اس پر کہ تم پر کوئی عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے، یا تم کو گروہ گروہ کرکے ایک کو دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو، ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔ اور تمہاری قوم نے اس کو جھٹلا دیا ہے حالاں کہ وہ حق ہے۔ کہو، میں تمہارے اوپر داروغہ نہیں ہوں۔ ہر خبر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور تم جلد ہی جان لوگے ۶۷-۶۳

انسان کو اس دنیا میں جتنی مصیبتیں پیش آتی ہیں اتنی کسی بھی دوسرے جان دار کو پیش نہیں آتیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے تاکہ آدمی پر ایسے حالات طاری کئے جائیں جب کہ اس کے اندر سے تمام مصنوعی خیالات ختم ہو جائیں اور آدمی اپنی اصلی فطرت کو دیکھ سکے۔ چنانچہ جب بھی آدمی پر کوئی بڑی مصیبت پڑتی ہے تو وہ یک سو ہو کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت اس کے ذہن سے تمام بناوٹی پردے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس دنیا میں انسان تمام تر عاجز ہے اور ساری قدرت صرف خدا کو حاصل ہے۔ مگر جیسے ہی مصیبت کے حالات ختم ہوتے ہیں وہ بدستور غفلت کا شکار ہو کر ویسا ہی بن جاتا ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا۔

شرک کی اصل حقیقت اللہ کے سوا کسی دوسری چیز پر اعتماد کرنا ہے اور توحید یہ ہے کہ آدمی کا سارا اعتماد اللہ پر ہو جائے۔ شرک کی ایک صورت وہ ہے جو بتوں اور دوسرے مظاہر پرستش کے ساتھ پیش آتی ہے۔ مگر شکر کے بجائے ناشکری کا رویہ اختیار کرنا بھی شرک ہے۔ شرک کی زیادہ عام صورت یہ ہے کہ آدمی خود اپنے کو بت بنائے، وہ اپنے آپ پر اعتماد کرنے لگے۔ آدمی جب اکڑ کر چلتا ہے تو گویا وہ اپنے جسم و جان پر اعتماد کر رہا ہے آدمی جب اپنی کمائی کو اپنی کمائی سمجھتا ہے تو گویا وہ اپنی قابلیت پر بھروسہ کر رہا ہے۔ آدمی جب ایک حق کو نظر انداز کرتا ہے تو گویا وہ سمجھتا ہے کہ میں جو بھی کروں، کوئی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ آدمی جب کسی کے اوپر ظلم کرنے میں جری ہوتا ہے تو اس وقت اس کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ میں اس کے اوپر اختیار رکھتا ہوں، اس کے حق میں اپنی من مانی کرنے سے مجھے کوئی روکنے والا نہیں۔ یہ ساری صورتیں گھمنڈ کی صورتیں ہیں اور گھمنڈ خدا کے نزدیک سب سے بڑا شرک ہے۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو خدا کے مقام پر رکھتا ہے۔

آدمی اگر اپنے حال پر سوچے تو وہ گھمنڈ نہ کرے۔ وہ ایسی ہواؤں سے گھرا ہوا ہے جو کسی بھی وقت طوفان کی صورت اختیار کرکے اس کی زندگی کو تہس نہس کر سکتی ہیں، وہ ایسی زمین پر کھڑا ہوا ہے جو کسی بھی لمحہ زلزلہ کی صورت میں پھٹ سکتی ہے۔ وہ جس سماج میں رہتا ہے اس میں ہر وقت اتنی عداوتیں موجود رہتی ہیں کہ ایک چنگاری پورے سماج کو خاک و خون کے حوالے کرنے کے لئے کافی ہے۔

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب نکالتے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تم کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے بے انصاف لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان پر ان کے حساب میں سے کسی چیز کی ذمہ داری نہیں۔ البتہ یاد دلانا ہے شاید کہ وہ بھی ڈریں۔ ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو تاکہ کوئی شخص اپنے کئے میں گرفتار نہ ہو جائے، اس حال میں کہ اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار اور سفارشی اس کے لئے نہ ہو۔ اگر وہ دنیا بھر کا معاوضہ دے تب بھی قبول نہ کیا جائے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے کئے میں گرفتار ہو گئے۔ ان کے لئے کھولتا پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے ۶۸ــــ۷۰

عبداللہ بن عباس رض نے فرمایا کہ اللہ نے ہر امت کے لئے ایک عید کا دن مقرر کیا تاکہ اس دن وہ اللہ کی بڑائی کریں اور اس کی عبادت کریں اور اللہ کی یاد سے اس کو معمور کریں۔ مگر بعد کے لوگوں نے اپنی عید (مذہبی تیوہار) کو کھیل تماشا بنا لیا (تفسیر کبیر)

ہر دینی عمل کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ایک اس کا ظاہری پہلو ہوتا ہے۔ عید کا مقصد اللہ کی بڑائی اور اس کی یاد کا اجتماعی مظاہرہ ہے۔ مگر عید کی ادائگی کے کچھ ظاہری پہلو بھی ہیں۔ مثلاً کپڑا پہننا یا اجتماع کا سامان کرنا وغیرہ۔ اب عید کو کھیل تماشا بنانا یہ ہے کہ اس کے اصل مقصد پر توجہ نہ دی جائے البتہ اس کے ظاہری اور مادی پہلوؤں کی خوب دھوم مچائی جائے۔ مثلاً کپڑوں اور سامانوں کی نمائش، خرید و فروخت کے ہنگامے، تفریحات کا اہتمام، اپنی حیثیت اور شان و شوکت کے مظاہرے، وغیرہ۔

امتوں کے بگاڑ کے زمانہ میں یہی معاملہ تمام دینی اعمال کے ساتھ پیش آتا ہے۔ لوگ دینی عمل کی اصل حقیقت کو الگ کرکے اس کے ظاہری پہلو کو لے لیتے ہیں۔ اب جو لوگ اس نوبت کو پہنچ جائیں کہ وہ دین کے مقصدی پہلو کو بھلا کر اس کو اپنے دنیوی تماشوں کا عنوان بنا لیں وہ اپنے اس عمل سے ثابت کر رہے ہیں کہ وہ دین کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہیں اور جو لوگ کسی معاملہ میں سنجیدہ نہ ہوں ان کو اس معاملہ کی کوئی ایسی بات سمجھائی نہیں جا سکتی جو ان کے مزاج کے خلاف ہو۔ مزید یہ کہ مادی چیزوں کا مالک ہونا ان کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ سچائی کے مالک بھی وہی ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں ان کی ضرورتیں بفراغت پوری ہو رہی ہیں۔ ہر جگہ وہ رونق محفل بنے ہوئے ہیں۔ ان کی زندگی میں کہیں کوئی رخنہ نہیں۔ اس لئے وہ سمجھ لیتے ہیں کہ آخرت میں بھی وہی کامیاب رہیں گے۔ ایسے لوگ عین اپنی نفسیات کی بنا پر آخرت کی باتوں کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ مگر وہ جان لیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ یوں ہی ختم ہو جانے والا نہیں۔ ان کا عمل ان کو گھیرے میں لے رہا ہے۔ عنقریب وہ اپنی سرکشی میں پھنس کر رہ جائیں گے اور کسی حال میں اس سے چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔

کہو، کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہم کو نفع دے سکتے اور نہ ہم کو نقصان پہنچا سکتے۔ اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں۔ بعد اس کے کہ اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا چکا ہے اس شخص کی مانند جس کو شیطانوں نے بیابان میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران پھر رہا ہو، اس کے ساتھی اس کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ کہو کہ رہنمائی تو صرف اللہ کی رہنمائی ہے اور ہم کو حکم ملا ہے کہ ہم اپنے آپ کو عالم کے رب کے حوالے کر دیں۔ اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اللہ سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ اس کی بات حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی اس روز جب صور پھونکا جائے گا۔ وہ غائب و حاضر کا عالم اور حکیم و خبیر ہے ۷۱-۷۳

جو لوگ خدا کے سوا دوسرے سہاروں پر اپنی زندگی قائم کریں ان کی مثال اس مسافر کی سی ہوتی ہے جو بے نشان صحرا میں بھٹک رہا ہو۔ صحرا میں بھٹکنے والا مسافر فوراً جان لیتا ہے کہ اس نے اپنا راستہ کھو دیا ہے۔ راستہ دکھائی دیتے ہی وہ فوراً اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔ مگر جو لوگ خدا کے بجائے دوسرے سہاروں پر جیتے ہیں ان کو اپنے بے راہ ہونے کی خبر نہیں ہوتی۔ ان کے آس پاس پکارنے والے پکارتے ہیں کہ اصل راستہ یہ ہے، ادھر آجاؤ مگر وہ اس قسم کی آوازوں پر دھیان نہیں دیتے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے معاملہ میں آدمی کی عقل کھلی ہوئی ہوتی ہے، صحیح راستہ کو دیکھنے میں اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جب کہ دوسری صورت میں آدمی کی عقل شیطان کے زیر اثر آجاتی ہے۔ اس کی سوچ اپنے فطری ڈھنگ پر کام نہیں کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سن کر بھی نہیں سنتا اور دیکھ کر بھی نہیں دیکھتا۔

خدا کے سوا دوسری چیزوں کا طالب بننا ایسی چیزوں کا طالب بننا ہے جو اس دنیا میں فائدہ و نقصان کی طاقت نہیں رکھتیں۔ زمین و آسمان اپنے پورے نظام کے ساتھ انکار کر رہے ہیں کہ یہاں ایک ہستی کے سوا کسی اور ہستی کو کوئی طاقت حاصل ہو۔ اسی طرح جن دنیوی رونقوں کو آدمی اپنا مقصود بناتا ہے اور ان کو پانے کی کوشش میں سچائی اور انصاف کے تمام تقاضوں کو روندڈالتا ہے، وہ بھی سراسر باطل ہے۔ کیوں کہ انسانی زندگی اگر اسی ظالمانہ حالت پر تمام ہو جائے تو یہ دنیا بالکل بے معنی قرار پاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا خود غرض اور انانیت پسند لوگوں کی تماشا گاہ ہے۔ حالانکہ کائنات کا نظام جس باکمال خدا کی تجلیاں دکھا رہا ہے اس سے انتہائی بعید ہے کہ وہ اس طرح کی کوئی بے مقصد تماشا گاہ کھڑی کرے۔

دنیا کی موجودہ صورت حال بالکل عارضی ہے۔ خدا کسی بھی دن اپنا نیا حکم جاری کرکے اس نظام کو توڑ دے گا۔ اس کے بعد انسان کی موجودہ آزادی ختم ہو جائے گی اور خدا کا اقتدار انسانوں پر بھی اسی طرح قائم ہو جائے گا جس طرح آج وہ بقیہ کائنات پر قائم ہے۔ اس وقت کامیاب وہ ہوں گے جنھوں نے امتحان کے زمانہ میں اپنے کو خدا کے حوالے کیا تھا، جو کسی دباؤ کے بغیر اللہ سے ڈرنے والے اور اس کے آگے ہمہ تن جھک جانے والے تھے۔

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو۔ میں تم کو اور تمھاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو دکھادی آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور تاکہ اس کو یقین آجائے۔ پھر جب رات نے اس پر اندھیرا کر لیا اس نے ایک تارہ کو دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو اس نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو اس نے کہا اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ کرے تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو، میں اس شرک سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔ میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۷۹ — ۷۴

حضرت ابراہیمؑ کی کہانی جو یہاں بیان ہوئی ہے وہ تلاشِ حق کی کہانی نہیں ہے بلکہ مشاہدۂ حق کی کہانی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ دو ہزار سال پہلے عراق میں ایسے ماحول میں پیدا ہوئے جہاں سورج، چاند، اور تاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ تاہم فطرت کی رہنمائی اور اللہ کی خصوصی مدد نے آنجناب کو شرک سے محفوظ رکھا۔ آپ کی بیدار نگاہیں کائنات کے پھیلے ہوئے شواہد میں توحید کے کھلے ہوئے دلائل دیکھتیں۔ کائنات کے آئینہ میں ہر طرف آپ کو ایک خدا کا چہرہ نظر آتا تھا۔ آپ قوم کی حالت پر افسوس کرتے اور لوگوں کو بتاتے کہ کھلے ہوئے حقائق کے باوجود کیوں تم لوگ اندھے بنے ہوئے ہو۔

رات کا وقت ہے۔ حضرت ابراہیم آسمان میں خدائے واحد کی نشانیاں دیکھ رہے ہیں۔ اسی عالم میں سیارہ زہرہ چمکتا ہوا ان کے سامنے آتا ہے جس کو ان کی قوم معبود سمجھ کر پوجتی تھی۔ ان کے دل میں بطور سوال نہیں بلکہ بطور استعجاب یہ خیال آتا ہے کہ کیا یہی وہ چیز ہے جو میرا رب ہو، یہی وہ معبود ہے جس کی ہمیں پرستش کرنی چاہئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو اپنے سامنے ڈوبتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کا ڈوبنا ان کے لئے اپنے عقیدہ کے صحیح ہونے کی ایک مشاہداتی دلیل بن جاتی ہے۔ وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ جو چیز ایک لمحہ کے لئے چمکے اور پھر غائب ہو جائے وہ کیسے اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس کو پوجا جائے۔ یا شل یہی تجربہ ان کو چاند اور سورج کے ساتھ بھی گزرتا ہے۔ ہر ایک چمک کر تھوڑی دیر کے لئے استعجاب پیدا کرتا ہے اور پھر ڈوب جاتا ہے۔ یہ فلکیاتی مشاہدات جو ان کے اپنے لئے توحید کی کھلی ہوئی تصدیق تھے، اسی کو وہ قوم کے سامنے اپنی تبلیغ میں بطور استدلال پیش کرتے ہیں اور انداز کلام وہ اختیار کرتے ہیں جس کو اصطلاح میں حجت الزامی کہا جاتا ہے یعنی مخاطب کے الفاظ کو دہرا کر پھر اسے قائل کرنا۔ حجت الزامی کا یہ طریقہ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی مذکور ہوا ہے۔ مثلاً وانظر الی الٰہک الذی ظلت علیہ عاکفا (طٰہٰ ۹۷)

کائنات میں خدا کی جو تخلیقی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ کسی بندہ کے لئے اضافۂ ایمان کا ذریعہ بھی ہیں اور انھیں سے دعوتِ حق کے لئے مضبوط دلائل بھی حاصل ہوتے ہیں۔

اور اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی۔ اس نے کہا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالاں کہ اس نے مجھے راہ دکھا دی ہے۔ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ کوئی بات میرا رب ہی چاہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، کیا تم نہیں سوچتے۔ اور میں کیوں کر ڈروں تمھارے شریکوں سے جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی سند نہیں اتاری۔ اب دونوں فریقوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے، اگر تم جانتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور نہیں ملایا انھوں نے اپنے ایمان میں کوئی نقصان، انھیں کے لئے امن ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔ یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک تمھارا رب حکیم و علیم ہے ۸۳ — ۸۰

جب کسی چیز یا کسی شخصیت کو معبود کا درجہ دے دیا جائے تو اس کے بعد فطری طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ پراسرار عظمتوں کے تصورات وابستہ ہو جاتے ہیں۔ لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس ذات کو کائناتی نقشہ میں کوئی ایسا برتر مقام حاصل ہے جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں۔ اس کو خوش کرنے سے قسمتیں بنتی ہیں اور اس کو ناراض کرنے سے قسمتیں بگڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے جب اپنی قوم کے بتوں کے بارے میں کہا کہ یہ بے حقیقت ہیں، انھیں خدا کی اس دنیا میں کوئی زور حاصل نہیں تو لوگوں کو اندیشہ ہونے لگا کہ اس گستاخی کے نتیجہ میں کہیں کوئی وبال نہ آپڑے۔ وہ حضرت ابراہیم سے بحثیں کرنے لگے۔ انھوں نے آپ کو ڈرایا کہ تم ایسی باتیں نہ کرو ورنہ ان معبودوں کا غضب تمھارے اوپر نازل ہوگا۔ تم اندھے ہو جاؤ گے، تم پاگل ہو جاؤ گے، تم برباد ہو جاؤ گے۔ وغیرہ

اس دنیا میں صرف خدا کی ایک ذات ہے جس کی کبریائی دلیل و برہان کے اوپر قائم ہے۔ اس کے سوا بڑائی اور معبودیت کی جتنی قسمیں ہیں سب توہماتی عقائد کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہیں۔ خدا کی خدائی اپنے آپ قائم ہے، جب کہ دوسری تمام خدائیاں صرف ان کے ماننے والوں کی بدولت ہیں۔ اگر ماننے والے نہ مانیں تو یہ خدائیاں بھی بے وجود ہو کر رہ جائیں۔

ظاہر حالات کو دیکھ کر ان معبودوں کے پرستار اکثر اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ وہ سچے خدا پرستوں کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ مقام پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر یہ بدترین غلط فہمی ہے۔ محفوظ حیثیت دراصل اس کی ہے جو دلیل اور برہان پر کھڑا ہوا ہے۔ دنیوی رواج سے مصالحت کرکے کوئی شخص اپنے لئے محفوظ دیوار حاصل کرے تو آخری انجام کے اعتبار سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

جھوٹے معبودوں کا غلبہ کبھی اس نوبت کو پہنچتا ہے کہ سچے خدا پرست بھی اس سے مرعوب ہو کر اس سے سازگاری کر لیتے ہیں۔ دنیوی مصلحتیں اور مادی مفادات ان سے اس درجہ وابستہ ہو جاتے ہیں کہ بظاہر ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ باعزت زندگی حاصل کرنے کی اس سے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ ان معبودوں کے تحت بنے ہوئے ڈھانچہ سے مصالحت کر لی جائے۔ مگر اس قسم کا رویہ اپنے ایمان میں ایسا نقصان شامل کر لینا ہے جو خود ایمان ہی کو خدا کی نظر میں مشتبہ بنا دے

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو بھی ہم نے ہدایت دی اس سے پہلے۔ اور اس کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی، ان میں سے ہر ایک صالح تھا۔ اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔ اور ان کے باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بھی، اور ان کو ہم نے چن لیا اور ہم نے سیدھے راستہ کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس سے سرفراز کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ضائع ہو جاتا جو کچھ انھوں نے کیا تھا۔ یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ پس اگر یہ مکہ والے اس کا انکار کر دیں تو ہم نے اس کے لئے ایسے لوگ مقرر کر دئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی، پس تم بھی ان کے طریقہ پر چلو۔ کہہ دو، میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ یہ تو بس ایک نصیحت ہے دنیا والوں کے لئے ۹۰ - ۸۴

"فضیلت" کسی کا نسلی یا قومی لقب نہیں، یہ اللہ کا ایک عطیہ ہے جس کا تحقق صرف ان افراد کے لئے ہوتا ہے جو خدا کی ہدایت کے مطابق اپنے کو صالح بنائیں شرک کی تمام قسموں سے اپنے کو بچائیں اور "بلا معاوضہ نصیحت" کے دعوتی منصوبہ میں اپنے کو ہمہ تن شامل کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی کتاب کو اپنا حقیقی رہنما بناتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ اپنے وجود کو اتنا زیادہ شامل کر دیتے ہیں کہ ان پر اس راہ کے وہ بھید کھلنے لگتے ہیں جن کو حکمت کہا جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو خدا چن لیتا ہے اور ان میں سے جن کو چاہتا ہے اپنے دین کی پیغام رسانی کی توفیق دیتا ہے، دور نبوت میں اللہ کے خصوصی پیغمبر کی حیثیت سے اور ختم نبوت کے بعد اللہ کے عام داعی کی حیثیت سے۔ اللہ کا انعام خواہ وہ پیغمبروں کے لئے ہو یا عام انسانوں کے لئے، تمام تر نیک عملی (احسان) کی بنیاد پر ملتا ہے نہ کہ کسی اور بنیاد پر۔

دعوت حق کا کام صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اس کی خاطر اتنا زیادہ یکسو اور بے نفس ہو چکے ہوں کہ وہ مدعو سے کسی قسم کی مادی توقع نہ رکھیں۔ جس شخص یا گروہ تک آپ آخرت کا پیغام پہنچا رہے ہوں اسی سے آپ اپنے دنیوی حقوق کے لئے احتجاج اور مطالبات کی مہم نہیں چلا سکتے۔ داعی کا ایسا کرنا صرف اس قیمت پر ہوگا کہ اس کی دعوت مدعو کی نظر میں مضحکہ خیز بن کر رہ جائے اور ماحول کے اندر کبھی اس کو سنجیدہ مہم کی حیثیت حاصل نہ ہو۔

مکہ میں کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے۔ مگر بحیثیت قوم "مکہ والوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مدینہ والوں کے دل آپ کی دعوت کے حق میں نرم کر دئے اور وہ بحیثیت قوم آپ کے مومن بن گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ آپ مکہ سے مدینہ جا کر وہاں اسلام کا مرکز قائم کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل درجہ میں حاصل ہوئی۔ تاہم آپ کی امت میں اٹھنے والے داعیوں کو بھی اللہ یہ مدد دے سکتا ہے اور اپنی مصلحت کے مطابق دیتا رہا ہے۔

اور انھوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ کہو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جس کو لے کر موسیٰ آئے تھے، وہ روشنی تھی اور رہنمائی تھی لوگوں کے واسطے، جس کو تم نے ورق ورق کر رکھا ہے۔ کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو۔ اور تم کو وہ باتیں سکھائی ہیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمھارے باپ دادا۔ کہو کہ اللہ نے اتاری۔ پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بک بک، لغویوں میں کھیلتے رہیں۔ اور یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے، برکت والی ہے، تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلے ہیں۔ اور تاکہ تو ڈرائے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو۔ اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں ۹۲-۹۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مکہ کے لوگوں کے سامنے آئی تو ان کے کچھ لوگوں نے بعض یہود سے پوچھا کہ تمھارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا محمد پر واقعی خدا کا کلام نازل ہوا ہے۔ یہود نے جواب دیا "خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے" بظاہر یہ بات بڑی عجیب ہے۔ کیونکہ یہود تو خود نبیوں کو ماننے والے تھے۔ اور اس طرح گویا وہ اقرار کر رہے تھے کہ بشر پر خدا کا کلام اترتا ہے۔ مگر جب آدمی مخالفت میں اندھا ہو جائے تو وہ مخالف کی تردید کے جوش میں کبھی یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنی مانی ہوئی باتوں کی تردید کرنے لگے۔

یہود کے اندر یہ ڈھٹائی اس لئے پیدا ہوئی کہ انھوں نے خدا کی کتاب کو ورق ورق کر دیا تھا۔ وہ خدا کی تعلیمات کے کچھ حصے کو سامنے لاتے اور بقیہ کو کتاب میں بند رکھتے۔ مثلاً وہ انعام والی آیتوں کو خوب سنتے سناتے اور ان آیتوں کو چھوڑ دیتے جن میں وہ اعمال بتائے گئے ہیں جن کے کرنے سے کسی کو مذکورہ انعام ملتا ہے۔ وہ ایسی آیتوں کا خصوصی تذکرہ کرتے جن سے ان کی شورش و غل کی سیاست کی تائید نکلتی ہو اور ان آیتوں کو نظر انداز کر دیتے جن میں خاموش اصلاح کے احکام دیے گئے ہوں۔ وہ ایسی آیتوں کے درس میں بڑا اہتمام کرتے۔ جن میں ان کے لئے لفظی موشگافیوں کا کمال دکھانے کا موقع ہو مگر ان آیتوں سے سرسری گزر جاتے جن میں دین کے ابدی حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایسی آیتوں کا خوب چرچا کرتے جن سے اپنی فضیلت نکلتی ہو اور ان آیتوں سے بے توجہی برتتے ہیں جن سے ان کی ذمہ داریاں معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ خدا کی کتاب کو اس طرح "ورق ورق" کریں ان کے اندر فطری طور پر ڈھٹائی آجاتی ہے۔ وہ غیر سنجیدہ بحثیں کرتے ہیں، متضاد بیانات دیتے ہیں۔ ان سے کسی حقیقی تعاون کی امید نہیں کی جا سکتی۔ جو لوگ خدا کی کتاب کے ساتھ انصاف نہ کریں وہ انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کیسے انصاف کر سکتے ہیں۔

دین کی دعوت اصلاً لوگوں کو ہوشیار کرنے کی دعوت ہے۔ اس قسم کی دعوت خواہ کتنے ہی کامل انسان کی طرف سے پیش کی جائے وہ سننے والے کے دل میں اس وقت جگہ کرے گی جب کہ وہ اپنے سینہ میں ایک اندیشہ ناک دل رکھتا ہو اور آخرت کے معاملہ کو ایک سنجیدہ معاملہ سمجھتا ہو۔ سننے والے میں اگر یہ ابتدائی مادہ موجود نہ ہو تو سنانے والا اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسلام اور کفر

اسلام کا مطلب ہے ماننا اور کفر کا مطلب ہے انکار کرنا۔ انسان بظاہر دنیا میں آزاد ہے کہ جو چاہے بولے اور جو چاہے کرے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز خدا کی ہے۔ کسی کے پاس جو کچھ ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ یہاں خدا کے سوا کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔ خدا ہر وقت انسان کو پکڑنے اور اس کو سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اسلام یہ ہے کہ آدمی اس حقیقتِ واقعہ کو مان لے اور اپنی زندگی اس کے مطابق گزارے۔ اس کے مقابلہ میں کفر یہ ہے کہ آدمی اس حقیقتِ واقعہ کو نہ مانے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کے لئے تیار نہ ہو۔

آگ جل رہی ہو تو آدمی یہ اختیار رکھتا ہے کہ اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈال دے۔ مگر اختیار کے باوجود وہ آگ کے اندر اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہی حقیقتِ واقعہ کا اعتراف ہے۔ دنیا میں اگرچہ بظاہر آدمی کو پوری آزادی حاصل ہے۔ مگر یہ آزادی صرف جانچ کے لئے ہے۔ خدا انسان کو آزادی دے کر یہ جانچنا چاہتا ہے کہ وہ آزادی پاکر سرکشی کرتا ہے یا حقیقتِ واقعہ کا اعتراف کرکے خدا کے آگے جھک جاتا ہے۔ جو شخص خدا کی خدائی کو تسلیم کرکے اپنی زندگی کو حقیقت کے مطابق بنائے، اس نے اسلام قبول کیا۔ ایسے شخص کے لئے خدا کے ابدی انعامات ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص اس حقیقت کو نہ مانے اور خدا کو اپنا آقا اور اپنے آپ کو اس کا بندہ بنانے پر راضی نہ ہو اس نے کفر کیا۔ ایسے شخص کو خدا فیصلہ کے دن سخت سزا دے گا۔

جو شخص اسلام کا طریقہ اختیار کرے اس کی پوری زندگی بدل جاتی ہے۔ اس کی سوچ صحیح ترین سوچ ہوتی ہے، کیونکہ وہ حقیقت واقعہ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کا عمل صحیح ترین عمل ہوتا ہے کیونکہ وہ حقیقتِ واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ اس کا سلوک صحیح ترین سلوک ہوتا ہے کیونکہ وہ حقیقتِ واقعہ کو سامنے رکھ کر قائم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کافر ہر معاملہ میں حقیقتِ واقعہ کے خلاف چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا انجام کامل بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اسلامی زندگی

اسلام کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے ——— اللہ کا ڈر اور بندوں کی خیر خواہی۔

مسلمان وہ ہے جو اس حقیقت کو پالے کہ ساری طاقتیں صرف اللہ کے پاس ہیں اور انسان اس کے مقابلہ میں صرف ایک عاجز مخلوق ہے۔ دنیا میں بظاہر آدمی کو جو اختیار ملا ہوا ہے وہ صرف امتحان کے لئے ہے۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے ہی خدا غیب کے پردے کو ہٹا دے گا۔ اس وقت خدا کی خدائی اور اس کے مقابلہ میں انسان کی بے بسی اس طرح کھل جائے گی کہ آدمی باطل ڈھ پڑے گا۔ اس دن وہ حقیقتوں کو اس طرح دیکھے گا کہ ان کو مانے بغیر اس کے لئے چارہ نہ ہوگا۔

مسلمان وہ ہے جو اس آنے والے دن کو اس کے آنے سے پہلے دیکھ لے۔ ایسا شخص دنیا میں اس طرح رہنے لگتا ہے جیسے وہ خدا کو اپنے اوپر نگرانی کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ وہ جب زبان کھولتا ہے تو اس کا ایمان اس کی زبان پکڑ لیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ بولو تو حق بات بولو ورنہ چپ رہو۔ وہ جب چلنا چاہتا ہے تو خدا کا خوف اس کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ چلو تو صحیح سمت میں چلو ورنہ اپنے قدموں کو چلنے سے روک لو۔ اس کا یہ احساس کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اس کے اوپر نگراں بن کر چھا جاتا ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جس سے خدا راضی ہو۔ اور جس چیز سے خدا راضی نہ ہو اس کے کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوتی۔

ایسے آدمی کے دل میں بندوں کے لئے خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بندوں کو اسی مہربانی کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے جس نظر سے ان کا خدا انھیں دیکھ رہا ہے وہ بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اپنے آپ کو اسی بے لاگ انصاف کے ترازو پر کھڑا کر دیتا ہے جس بے لاگ انصاف کے ترازو پر کائنات کا خالق و مالک آخر کار سب کو کھڑا کرنے والا ہے

ساری تعریف اللہ کے لئے

ایک درخت ایک بے حد بامعنی واقعہ ہے مگر اس کو اپنی معنویت کا شعور نہیں۔ ایک پھول نفاست اور لطافت کا شاہکار ہے مگر کوئی پھول اپنی اس خصوصیت کو نہیں جانتا، ایک چڑیا بے حد حسین وجود ہے مگر کسی چڑیا کو اپنے حسن کا احساس نہیں۔ یہی حال دنیا کی تمام چیزوں کا ہے۔ دنیا کی ہر چیز حسین ترین آرٹ کا انتہائی کامل نمونہ ہے۔ مگر کسی چیز کو بھی اپنی اس حیثیت کا کوئی علم نہیں۔

پھر حسن و لطافت کی یہ نمائش گاہ کس کے لئے سجائی گئی ہے۔ یہ انسان کے لئے ہے۔ تمام معلوم کائنات میں انسان ہی واحد مخلوق ہے جو کسی چیز کے حسن کو دیکھتا ہے اور اس کی خوبیوں کو محسوس کر کے اس کی داد دے سکتا ہے۔ خدا نے دنیا کی صورت میں ایک حسین آرٹ بنایا اور انسان کو اس کی پرکھ دے کر اس کو زبان عطا کی تاکہ وہ خدا کی حسین تخلیق کو دیکھ کر جھوم اٹھے اور اپنی زبان سے اس کے خالق کو خراج تحسین پیش کرے۔ اسی کا نام حمد یا خدا کی تعریف ہے۔ حمد انسان کے اعلیٰ ترین جذبات کا وہ نذرانہ ہے جو خدا کے سامنے پیش ہونے کے لئے انسانی الفاظ میں ڈھل جاتے ہیں۔

حمد یہ ہے کہ ایک شخص دنیا میں خدا کی کاریگری کو دیکھے، وہ اس کے کمالات کو محسوس کر کے تڑپ اٹھے۔ اور پھر اس کی زبان سے بے تابانہ نکل پڑے کہ خدایا، ساری تعریف تیرے لئے ہے۔ تو پاک اور برتر ہے، خدایا تو مجھے اقرار کرنے والوں میں لکھ لے اور مجھ کو ان لوگوں میں نہ بنا جن کو تو اندھی حالت میں اٹھائے گا، کیونکہ انھوں نے تیرے حسن کو نہیں دیکھا، کیونکہ انھوں نے تیرے کمالات کا اعتراف نہیں کیا —— اللہ کو چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے اس طرح یاد کرنے کا نام حمد ہے، خواہ کہنے والا اپنے کلمات کو عربی زبان میں کہے یا کسی دوسری زبان میں۔

پتھر کھسک گیا

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے بیان کیا۔ سننے والوں میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان میں سے تین آدمی ایک سفر پر نکلے۔ چلتے چلتے رات ہوگئی تو رات گزارنے کے لئے وہ ایک غار میں داخل ہوگئے۔ پہاڑوں پر اکثر پتھر گرنے [Land Slide] کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ رات کے وقت اوپر سے ایک بڑا پتھر لڑھک کر گرا اور اس کی وجہ سے غار کا منھ بند ہوگیا۔ انھوں نے کہا کہ اس چٹان سے نجات کی ہمارے پاس اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے کہ ہم اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کریں۔

اب ایک شخص دعا کرنے بیٹھا۔ اس نے کہا: خدایا، میرے باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ میرا معمول تھا کہ روزانہ شام کو جب میں اپنے جانور چرا کر لوٹتا تو جب تک میں ان دونوں کو دودھ نہ پلا لیتا نہ خود دودھ پیتا اور نہ کسی اور کو پلاتا۔ ایک دن میں چارہ کی تلاش میں دور نکل گیا۔ شام کو واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ میرے ماں باپ سو گئے۔ میں نے ان دونوں کے لئے دودھ نکال کر تیار کیا۔ جب ان کے پاس دودھ لے کر پہنچا تو دونوں کو سوتا ہوا پایا۔ مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ میں ان کو جگاؤں اور مجھ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ میں ان سے پہلے دودھ پیوں اور اپنے بچوں کو پلاؤں۔ میں ان کے پاس کھڑا ہوگیا۔ میرے ہاتھ میں پیالہ تھا اور میں اس انتظار میں تھا کہ جب وہ جاگیں تو میں ان کو دودھ پیش کروں۔ اسی حال میں صبح ہوگئی۔ بچے میرے پاؤں کے پاس بلبلاتے رہے۔ صبح کو وہ دونوں اٹھے اور انھوں نے دودھ پیا۔ اس کے بعد ہم سب لوگوں نے دودھ پیا۔ میرے اللہ یہ عمل اگر میں نے تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کی مصیبت سے تو ہم کو نجات دے دے۔ چنانچہ چٹان تھوڑی سی کھسک گئی مگر اتنی زیادہ نہیں کہ وہ تینوں نکل سکیں۔

اب دوسرے آدمی نے دعا شروع کی۔ اس نے کہا: خدایا، میرے چچا کی ایک لڑکی تھی۔ وہ مجھ کو بہت محبوب تھی، اس سے مجھ کو اسی قسم کی شدید محبت تھی جو مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ میں نے اس سے اپنے نفس کی خواہش پوری کرنی چاہی مگر وہ منع کرتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد وہ قحط سالی کی مصیبت میں پریشان ہوئی۔ وہ مدد کے لئے میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ۱۲۰ دینار اس شرط پر دیے کہ وہ مجھ کو اپنے اوپر قابو دے دے۔ وہ اس کے لئے تیار ہوگئی۔ یہاں تک کہ جب میں اس کے اوپر پوری طرح قادر ہوگیا اور اس کے دونوں پیروں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا: خدا سے ڈر اور مہر کو اس کے حق کے بغیر نہ توڑ۔ میں اس سے باز آگیا حالاں کہ وہ مجھ کو

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب بھی۔ اور جو دینار میں نے اس کو دیئے تھے وہ بھی اس سے واپس نہیں لئے۔ خدایا، اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس مصیبت سے تو ہم کو نجات دے دے جس میں ہم اس وقت پھنسے ہوئے ہیں۔ چنانچہ چٹان تھوڑی سی ہٹ گئی مگر اتنی نہیں کہ وہ نکل سکیں۔

اب تیسرے آدمی نے دعا کی۔ اس نے کہا۔ خدایا، میں نے کچھ مزدور اجرت پر رکھے۔ کام کے بعد میں نے سب کو اجرت دے دی۔ مگر ایک مزدور اپنی اجرت چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی چھوڑی ہوئی رقم کو کاروبار میں لگا دیا اس سے مجھ کو بہت زیادہ مالی فائدہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد وہ آدمی واپس آیا اور کہا: اے اللہ کے بندے، میری اجرت مجھ کو دے دے۔ میں نے اس سے کہا: یہ اونٹ یہ گائیں، یہ بکریاں اور یہ غلام جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب تمھاری مزدوری ہے۔ اس نے کہا: اے خدا کے بندے، مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ یہ سب تمھارا ہی ہے۔ اس کے بعد اس نے سب چیزیں لیں اور ان کو اس طرح ہنکا لے گیا کہ ان میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ خدایا، اگر یہ میں نے تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس مصیبت سے تو ہم کو نجات دے دے۔ اس کے بعد چٹان ہٹ گئی اور وہ تینوں باہر نکل کر روانہ ہو گئے (بخاری و مسلم)

یہ روایت صحیحین میں آئی ہے اور اس کے واقعہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا ایسی چیز ہے جو پتھر کی چٹان کو بھی اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے۔ مگر یہ وہ دعا نہیں ہے جو زبان سے بس الفاظ کی صورت میں نکلتی ہے اور آدمی کی حقیقی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مذکورہ مثال بتاتی ہے کہ دعا سے چٹان کھسکنے کا واقعہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے تابع کر دیں، جو اپنے اوپر خدا کو نگراں بنا لیں۔ حتی کہ بھوک کی شدت اور بیوی بچوں کی محبت بھی ان کو خدا کی پسندیدہ راہ سے نہ ہٹا سکے۔ انتہائی نازک جذباتی مواقع پر بھی خدا کی یاد دلانا ان کو چونکا دینے کے لئے کافی ہو، ہیجان خیز لمحات میں بھی جب خدا کا نام لے لیا جائے تو ان کے چلتے ہوئے قدم رک جائیں، اور ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ اپنی حرکت بند کر دیں۔ آخرت کے حساب کا اندیشہ ان پر اتنا زیادہ طاری ہو کہ ایک حق دار کا حق ادا کرنے کی خاطر اگر ان کو اپنا سارا اثاثہ دے دینا پڑے تو اس سے بھی وہ دریغ نہ کریں۔ ایک آدمی اگر اپنا مطالبہ لے کر ان کے سامنے کھڑا ہو جائے تو وہ فوراً اس کو مان لیں خواہ مطالبہ کرنے والا کتنا ہی بے زور ہو اور اس کے مقابلہ میں ان کو کتنی ہی زیادہ قوت حاصل ہو۔

خدا کے بندے وہ ہیں جو اپنے نفس کو کچلنے اور اپنے فائدوں کو ذبح کرنے کی قیمت پر خدا کو اختیار کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس طرح خدا کو اپنا لیں وہ اگر کہیں کہ خدایا تو اس پتھر کی چٹان کو کھسکا دے تو خدا پتھر کی چٹان کو بھی ان کے لئے کھسکا دیتا ہے۔

صبر، صبر، صبر

انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ حد درجہ خود پسند واقع ہوا ہے۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ وہ اپنے کو عزت اور بڑائی کے مقام پر دیکھے، ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کی رائے سب سے اچھی رائے سمجھی جائے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے حق کے سوفر کو موجودہ دنیا میں مشکل ترین سفر بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کروروں انسانوں میں ہر آدمی جب اپنے کو صحیح سمجھے تو کون کس کی بات سنے گا اور کون حق کو حق سمجھ کر قبول کرے گا۔

مگر یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ خدا کا محبوب بندہ وہ ہے جو "میں پرستوں" کے ہجوم میں اپنے کو "بے میں" بنالے۔ جو اپنی خود پسندی کو خدا پسندی میں تحلیل کر دے۔ جو اپنی بات کے مقابلہ میں حق کی بات کو اختیار کرے۔ جو دنیا کی عزت کے مقابلہ میں آخرت کی عزت کو اہمیت دینے لگے۔ لوگوں کی طرف سے خواہ کتنی ہی تلخیاں پیش آئیں وہ اپنی طرف سے منفی ردیہ کا اظہار نہ کرے۔ اسی کا نام صبر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بے حد مشکل راستہ ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہی وہ راستہ ہے جو کسی آدمی کو جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔ جنت صبر کرنے والوں کو ملتی ہے اور صبر کرنے والا وہ ہے جو اللہ کی خاطر اپنے آپ کو کچل ڈالے۔

حق کا سفر جنت کا سفر ہے۔ اور جنت کے متعلق حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ ناخوش گواریوں سے ڈھانک دی گئی ہے (حجبت النار بالشهوات وحجبت الجنة بالمكاره) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی دنیا کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ یہاں جنت کی طرف بڑھنے والے کے لئے ناخوش گوار حالات سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔ جو شخص بھی جنت کا مسافر بننا چاہے اس کو پہلے ہی جان لینا چاہئے کہ وہ ایک ایسے راستہ پر چلنے کا ارادہ کر رہا ہے جس میں لوگوں کی طرف سے تلخ باتیں آئیں گی، جس میں طویل انتظار کی مشقت برداشت کرنی ہوگی جس میں مخالفین کی طرف سے طرح طرح کی دل آزاری کی باتیں پیش آئیں گی۔ حتی کہ کبھی جارحانہ کارروائیوں کا سامنا ہوگا۔ ان مواقع پر حق کا مسافر اگر صبر کھو دے، اگر وہ بے برداشت ہو جائے تو وہ یا تو بددل ہو کر اپنا راستہ بدل لے گا یا درمیان کے کانٹوں سے الجھ کر رہ جائے گا اور آگے نہ بڑھ سکے گا۔

جنت کا سفر تمام کا تمام صبر کا سفر ہے۔ جنت میں وہی شخص پہنچے گا جو صبر کی تلخیوں کو سہنے کے لئے تیار ہو، جو جذبات کی پامالی پر بھی بے بہت ہونا نہ جانے، جو نفس کی ہر چوٹ کو اپنے سینہ کی دیرانیوں میں چھپا لے۔

نتیجہ پسند بنئے

ایک شخص زمین کی قوت کشش کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس کے سامنے درخت کا معاملہ آتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ درخت کی جڑیں زمین میں نیچے کی طرف چلی جا رہی ہیں۔ وہ فوراً رائے قائم کر لیتا ہے کہ جڑوں کا نیچے کی طرف جانا زمین کی کشش کی وجہ سے ہے۔ پھر اس کا ذہن دوسرے پہلو کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ درخت کا تنہ اور اس کی شاخیں اوپر کی طرف اٹھ رہی ہیں" درخت کی جڑیں اگر زمین کی کشش کی وجہ سے نیچے کی طرف جاتی ہیں تو اسی درخت کی شاخیں اوپر کی طرف کیوں اٹھتی ہیں" یہ سوال اس کے ذہن کو حیرانی میں ڈال دیتا ہے۔

ہر سائنس داں کو اپنی تحقیق کے دوران اس قسم کے سوالات سے سابقہ پیش آتا ہے جو اس کو سرگشتگی میں ڈالنے والا ہو۔ ایسے موقع پر سائنس داں کیا کرتا ہے۔ وہ یہ کرتا ہے کہ یا تو" شاخوں" کے اوپر کی طرف اٹھنے کے سوال کو اپنی تحقیق سے غیر متعلق سمجھ کر حذف کر دیتا ہے۔ یا وہ ایسا کرتا ہے کہ کوئی کام چلاؤ (Workable) مفروضہ قائم کر کے دیگر سوالات کو اس کے خانہ میں ڈال دیتا ہے اور اپنی تحقیق کے براہ راست کام کو جاری رکھتا ہے۔ اگر سائنس داں ایسا نہ کرے تو اس کی تحقیق کبھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی۔

موجودہ دنیا میں کسی مفید نتیجہ تک پہنچنے کا یہی واحد علمی طریقہ ہے۔ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جو ہمارے تمام قیاس و گمان سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس کو جاننے کے لئے ہماری صلاحیتیں انتہائی محدود ہیں۔ ہم حقیقتوں کو صرف جزئی طور پر ہی جان سکتے ہیں۔ اس لئے ہر حقیقت پسند آدمی یہ کرتا ہے کہ وہ نتیجہ کو سامنے رکھتا ہے نہ کہ تفصیلات کو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں تمام تفصیلات کو اس کی آخری حد تک متعین کرنا چاہوں تو ایسا ممکن نہ ہوگا اور میں کبھی کامیابی تک نہ پہنچ سکوں گا۔

دین کے معاملہ میں بھی صحیح طریقہ یہی ہے۔ جو لوگ دین کو علمی طریق پر سمجھنا چاہتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں بھی وہ اسی علمی طریقہ کو اختیار کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں جو دوسرے علمی شعبوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی اپنی محدودیت کو تسلیم کرنا اور غیر ضروری بحثوں کو حذف کرتے ہوئے ایک نتیجہ پسند انسان کی طرح اپنی تلاش کو آگے لے جانا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ دین کو اس وقت مانیں گے جب کہ وہ تمام عقلی سوالات کا تشفی بخش جواب دیدے۔ وہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ اس قسم کا رویہ قطعاً غیر علمی ہے۔ دین کے علاوہ چیزوں میں کوئی بھی مکمل عقلی تشفی کی شرط نہیں لگاتا، پھر دین ہی کے معاملہ میں ایسی شرط کیوں ضروری ہو۔

دلیل کی بے تاثیری

میلووان جیلاس [Miloan Djilas] یوگوسلاویہ کی کیمونسٹ پارٹی کے صدر تھے۔ یوگوسلاویہ میں اشتراکی حکومت بنی تو ان کو حکومت میں ایک بڑا عہدہ ملا۔ مگر روس میں اشتراکیت کے تجربہ سے ان کو سخت مایوسی ہوئی۔ انھوں نے اشتراکی سماج کی صورت میں ایک ایسے سماج کا خواب دیکھا تھا جس میں طبقات ختم ہو گئے ہوں اور یکساں حالات میں ہر ایک کو زندگی گزارنے کا موقع ملے۔ مگر روس میں اشتراکی انقلاب آیا تو وہاں شدید تر انداز میں ایک نئی طبقاتی تقسیم قائم ہوگئی۔ ایک حکمراں طبقہ، دوسرا غیر حکمراں طبقہ۔ دونوں طبقات میں اس سے بھی زیادہ بڑا فرق تھا جو سرمایہ دارانہ نظام میں یا شہنشاہی دور میں پایا جاتا تھا۔ اشتراکی انقلاب صرف ایک نئے شدید تر طبقہ کی پیدائش کے ہم معنی بن کر رہ گیا۔ اب ان کے ضمیر نے احتجاج کیا اور انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا نیا طبقہ (نیو کلاس) ۱۹۵۶ میں یہ کتاب شائع ہوئی تو ساری دنیا میں ایک ہل چل مچ گئی۔ اس کے لاکھوں نسخے فروخت ہو گئے۔ ریڈرز ڈائجسٹ نے اس پر تعارفی مضمون شائع کیا تو اس کا عنوان اس نے ان لفظوں میں قائم کیا:

The Book That Is Shaking The Communist world

(وہ کتاب جس نے کیمونسٹ دنیا کو ہلا دیا ہے) مگر ہم جانتے ہیں کہ عملاً جو کچھ ہوا وہ یہ کہ میلووان جیلاس جیل میں پڑے پڑے مر گئے اور کمیونسٹ دنیا بدستور اپنی شان وشوکت کے ساتھ موجود ہے۔

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میلووان جیلاس ناحق پر تھے اور کیمونسٹ دنیا حق پر۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ میلووان جیلاس کے پاس لفظی استدلال کی طاقت تھی۔ جب کہ کیمونسٹ دنیا سیاسی اور اقتصادی قوتوں سے مسلح ہے۔ جب بھی دو فریقوں میں اس قسم کا فرق ہو تو خواہ صداقت تمام تر فریق اول کی طرف کیوں نہ ہو، وہ عملی دنیا میں بے وزن ہو جاتا ہے اور کامیابی اس کو ملتی ہے جس نے مادی طاقتوں کا زور اپنے پاس جمع کر لیا ہو۔

انسان کا ضمیر سب سے زیادہ جس چیز کو وزن دیتا ہے وہ دلیل ہے۔ انسان کی پوری اندرونی ہستی کا تقاضا ہے کہ جو بات دلیل سے ثابت ہو جائے وہ حق ٹھہرے اور جس بات کے پیچھے دلیل نہ ہو وہ ناحق قرار پائے اس کو دنیا میں کوئی جگہ نہ ملے۔ مگر موجودہ دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے موجودہ نظام میں دلیل کے اندر کوئی ذاتی طاقت نہیں۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دلیل کے اعتبار سے بالکل خالی ہو کر خوبصورت الفاظ کا دریا بہا سکے۔ استدلالی جواز نہ رکھتے ہوئے بھی وہ زمین پر کھڑا ہونے کی کوئی بنیاد پالے۔ دلیل سے محروم ہونے کے باوجود وہ محض طاقت کے زور پر دنیا میں اپنی جگہ حاصل کرلے۔

انسان کے ضمیر اور واقعہ میں یہ تضاد بتاتا ہے کہ موجودہ دنیا نامکمل ہے۔ انسانی عقل اور انسانی ضمیر کے مطابق مکمل دنیا وہ ہوگی جہاں دلیل ہی سب کچھ ہو۔ اور بے دلیل ہونا اور بے قیمت ہونا دونوں ہم معنی

الفاظ بن جائیں۔ "جو کچھ ہے" اور "جو کچھ ہونا چاہئے" کا یہ فرق خود ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ موجودہ دنیا میں کوئی بنیادی کمی ہے۔ ابھی یہاں ایک اور انقلاب درکار ہے جو اس کے ڈھانچہ میں ایسی تبدیلی کرے کہ جو کچھ ہے اور جو کچھ ہونا چاہئے کا فرق ختم ہو جائے۔ انسان کا ضمیر جو کچھ چاہتا ہے وہی عملاً بھی دنیا میں قائم ہو جائے۔

آخرت اسی قسم کی ایک دنیا کا نام ہے۔ آخرت وہ مقام ہے جہاں دلیل اور معقولیت ہی کا نام طاقت ہوگا اور بے دلیل اور غیر معقول ہونا بے طاقتی کے ہم معنی بن جائے گا۔ عزت اور سرفرازی صرف اس کو ملے گی جو حق کی زمین پر کھڑا ہوا اور وہ شخص ذلیل اور حقیر بن جائے گا جو نامعقولیت کے سہارے اپنا کاروبار چلا رہا تھا۔

"کیا ہے" اور "کیا ہونا چاہئے" کا یہ تضاد صرف انسانی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ بقیہ تمام کائنات اس قسم کے تضاد سے بالکل خالی ہے۔ زمین و آسمان کا پورا نظام ٹھیک اسی طرح چل رہا ہے جیسا کہ اسے چلنا چاہئے۔ سورج اس صحیح ترین مقدار میں روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے جو انسان کو درکار ہے۔ پانی اور ہوا میں گیسوں کا تناسب عین ہماری ضرورت کے مطابق ہے۔ درخت ٹھیک اس فطرت پر اگتے اور بڑھتے ہیں جو ان کے لئے مقرر ہے۔ شہد کی مکھیاں فطرت کے عین نقشہ کے مطابق اپنا غذائی کارخانہ چلاتی ہیں۔ غرض کائنات کا ہر جزء انتہائی معیاری صورت میں اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ یہ صرف انسان ہے جس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

انسان ایک مکمل طور پر معیاری دنیا میں ایک مکمل طور پر غیر معیاری طریقہ اپنائے ہوئے ہے۔ دوسری طرف یہ کہ موجودہ دنیا میں ہر چیز پابند ہے۔ یہ صرف انسان ہے جو یہاں خود مختار حیثیت رکھتا ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کو سامنے رکھئے تو اس صورت حال کی سب سے زیادہ قابل فہم توجیہہ یہ بنتی ہے کہ جو رویہ بقیہ کائنات سے مجبورانہ طور پر مطلوب ہے اسی رویہ کا ثبوت انسان کو آزادانہ طور پر دینا ہے۔ بقیہ کائنات کی فلاح یہ ہے کہ وہ محکومیت کی بنا پر محکوم رہے اور انسان کی فلاح یہ ہے کہ وہ آزاد ہوتے ہوئے خود اپنے ارادہ سے اپنے کو خدا کا محکوم بنائے۔

حق آدمی کے سامنے "دلیل" کی صورت میں آتا ہے۔ آدمی اس کو ٹھکرا دیتا ہے، بے معنی الفاظ بول کر وہ اسے رد کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود آدمی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کے معاملات اور کاروبار میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ یہ صورت حال آدمی کو غلط فہمی میں ڈال دیتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ حق اور ناحق کا معاملہ کوئی سنجیدہ معاملہ نہیں ہے۔ زندگی میں اصل چیز مفادات اور مصالح ہیں اور مفاد اور مصلحت اگر محفوظ ہے تو کسی پریشانی میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

مگر یہ سب سے بڑا دھوکہ ہے جس میں کوئی انسان مبتلا ہوتا ہے۔ مفاد اور مصلحت تو وہ حالات ہیں جن میں کسی کا امتحان کیا جا رہا ہے نہ کہ وہ نتیجہ جو امتحان کی بنیاد پر کسی کو ملنے والا ہے۔ اس طالب علم سے زیادہ نادان کون ہوگا جو امتحان کے پرچہ کو اپنے "قبضہ" میں پاکر خوش ہو جائے اور یہ نہ سوچے کہ وہ اس پرچہ کے حل کے بارے میں کس قسم کی اہلیت کا ثبوت اپنے ممتحن کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

تنظیم

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کئے اور اللہ نے ان سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں کو مانو اور ان کی مدد کرو اور اللہ کو قرض حسن دو، اگر تم ایسا کرو تو یقیناً میں تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پس اس کے بعد تم میں سے جس نے انکار کیا تو اس نے سواء السبیل کھو دی (مائدہ ۱۲)

ایک دانہ کے اندر خدا نے ایک سرسبز و شاداب پودا چھپا رکھا ہے اور ایک گٹھلی کے اندر ایک پورا درخت موجود ہے۔ مگر یہ امکانات صرف اس وقت بروئے کار آتے ہیں جب کہ دانہ یا گٹھلی کو مٹی میں ڈالا جائے۔ اگر ان کو شیشہ کی میز پر سجا کر رکھ دیا جائے تو نہ دانہ سے پودا نکلے گا اور نہ گٹھلی بھی درخت کی صورت اختیار کرے گی۔ اسی طرح اللہ نے دنیا کی ہر چیز کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ قاعدہ ہمیشہ کے لئے اٹل ہے۔ ہر چیز اسی مقررہ قاعدہ پر قائم ہوتی ہے اور اسی کے مطابق بڑھتی ہے۔ اگر اس قاعدہ کی خلاف ورزی کی جائے تو کبھی مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

یہی معاملہ انسانی زندگی کا بھی ہے۔ جو قوم آسمانی کتاب کی حامل ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا مخصوص ضابطہ ہے۔ ایسی قوم کس طرح زمین میں جڑ پکڑتی ہے اور دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کرتی ہے، اس کا ضابطہ مذکورہ آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس قرآنی ضابطہ کو یہاں سواء السبیل کہا گیا ہے۔

سواء السبیل (اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ) یہ ہے کہ آدمی دنیا میں ایک قسم کی پابند زندگی گزارے۔ وہ اس طرح رہے گویا کہ وہ خدا کے عہد کی رسی میں بندھا ہوا ہے۔ اس عہد کی زندگی کی پہلی شرط، ایمان کے بعد، یہ ہے کہ آدمی نماز قائم کرے یعنی اللہ کے آگے اپنے کو جھکا دے، وہ اللہ کی قربت تلاش کرنے والا بن جائے۔ پھر وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ یعنی وہ دوسرے بندوں کا اس حد تک خیر خواہ ہو کر اپنی کمائی میں ان کا لازمی حق سمجھنے لگے۔ پھر یہ کہ اللہ کے دین کی دعوت کے معاملہ میں وہ غیر جانب دار نہ رہے، بلکہ اس میں اپنے آپ کو پوری طرح شامل کرے، وہ داعیان دین کی مدد کرے۔ اپنے بہترین اثاثہ کو اس کام کو مؤثر اور طاقت ور بنانے میں لگا دے۔ یہی وہ عہد کی زندگی ہے جو ہر فرد مسلم سے مطلوب ہے، اس زندگی کو اختیار کئے بغیر کوئی شخص خدا کی قربت و معیت حاصل نہیں کر سکتا اور نہ اس قابل قرار پا سکتا کہ خدا اس کی مدد کرے۔

اس خدا پرستانہ زندگی کو اس کی صحیح صورت میں باقی رکھنے کے لئے تنظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ ہر مسلم معاشرہ کے اوپر خدا کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے درمیان سمع و طاعت کا نظام قائم کرے۔ یعنی وہ اپنے اندر سے کچھ لوگوں کو

اپنا سربراہ مقرر کرے اور جب ان کا تقرر ہو جائے تو پسند ناپسند کو نظر انداز کر کے ان کی اطاعت کرے۔ نماز کی باقاعدہ اقامت، زکوٰۃ کی اجتماعی وصولی اور تقسیم، دعوت دین کا عمومی نظام، سب اسی وقت بہتر طور پر ادا ہو سکتے ہیں جب کہ مسلمانوں کے درمیان اجتماعی نظم قائم ہو۔ ان میں کچھ ایسے لوگ مقرر ہوں جو اس کی نگرانی کریں اور تمام لوگ اس کو ایک دینی فریضہ سمجھ کر اپنے سربراہوں کی اطاعت کریں۔

اس تنظیم سے مراد حکومتی تنظیم نہیں ہے۔ بلکہ وہ تنظیم ہے جو ہر حال میں مسلمانوں کے اپنے بس میں ہے، خواہ ان کے پاس سیاسی اقتدار ہو یا نہ ہو۔ اسلامی تنظیم حقیقۃً ایک عبادت ہے اور عبادت وہی مطلوب اور نتیجہ خیز ہے جو اختیاری طور پر ہو نہ کہ کسی خارجی دباؤ کے تحت۔ اسلامی تنظیم دراصل اس بات کی ایک ذہنی علامت ہے کہ آدمی نے اپنے آپ کو خدا کے حکم کے حوالے کر دیا ہے۔ اسلامی تنظیم میں اپنے کو باندھنا گویا خدائی اطاعت کے امتحان میں پورا اترنا ہے اور اسلامی تنظیم میں بندھنے کے لئے تیار نہ ہونا گویا اس خدائی امتحان میں ناکام ہو جانا ہے۔

مزید یہ کہ سیاسی اقتدار بذات خود تنظیم کے وجود کا ضامن نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں حکومتی اقتدار موجود تھا، اس کے باوجود مسلمانوں کی تنظیم منتشر ہو گئی۔ اسی طرح بعد کے دور میں بھی اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تنظیم سے مراد ویسی ہی ایک اختیاری تنظیم ہے جیسی کہ مسجد میں امام کی سربراہی میں نماز کی جماعت بندی کے لئے ہر روز ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی خاطر اپنی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔ یہ تمام تر ایک اختیاری تنظیم ہے اور اس کا ثواب کسی آدمی کو صرف اس وقت ملے گا جب کہ اس نے اپنے آزاد ارادہ سے اس کی ماتحتی قبول کی ہو۔ جبر کے تحت قائم شدہ تنظیم بعض دنیوی فائدے دے سکتی ہے مگر وہ آدمی کو خدا کے یہاں ثواب کا مستحق نہیں بناتی، نہ اس سے وہ برکتیں ظاہر ہو سکتیں جو حقیقی اسلامی تنظیم کے لئے خدا نے مقدر کی ہیں۔

دور نبوت میں اس قسم کی تنظیم کی ایک مثال وہ ہے جو ابتدائی دور میں مدینہ میں اختیار کی گئی۔ ہجرت سے پہلے مدینہ کے ۷۳ آدمی مکہ پہنچے اور آپ سے بیعت ہوئے۔ اس وقت مدینہ میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ مگر آپ نے بیعت کے بعد ان سے کہا کہ تم لوگ بارہ آدمی منتخب کر دو جن کو میں تمہارے اوپر نقیب (نگراں) بنا دوں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اندر سے بارہ آدمی چنے۔ آپ نے ان کو مدینہ کے مسلمانوں پر نگراں مقرر فرمایا اور کہا کہ تم اپنی قوم کی اجتماعی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہو (أنتم كفلاء على قومكم) مسلمان عرب سے نکل کر جب مختلف ملکوں میں گئے تو اسی طرح وہ اپنی تنظیم بنا کر اس کی ماتحتی میں منظم زندگی گزارتے رہے۔ جب تک انھوں نے ایسا کیا ان کے اوپر خدا کا سایہ باقی رہا۔ جب انھوں نے تنظیمی پابندی قبول کرنے سے انکار کر دیا تو خدا کا سایہ بھی ان کے اوپر سے اٹھ گیا اور وہ دوسری قوموں کے حوالے کر دئے گئے۔

جو لوگ اپنے آزاد ارادہ سے اپنے کو ایک اسلامی تنظیم کا پابند کریں وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں

کہ وہ بے نفس لوگ ہیں، انھوں نے اللہ کی خاطر اپنی انانیت کو ختم کر دیا ہے۔ اس طرح اپنے آپ کو بے نفس بنالینا موجودہ دنیا کی سب سے بڑی نیکی ہے۔ اللہ کی نظر میں جو لوگ اس معیار پر پورے اتریں ان کے لئے وہ اپنی ہر قسم کی نعمتیں انڈیل دیتا ہے، وہ دنیا میں بھی عزت اور غلبہ حاصل کرتے ہیں اور آخرت کی سرفرازی بھی ان کے لئے مقدر کر دی جاتی ہے۔ جو لوگ بے نفسی کی حد تک خدا کے فرماں بردار بن جائیں ان کے سامنے جب کوئی صحیح بات آتی ہے تو وہ فوراً اس کو مان لیتے ہیں۔ ان کا باہمی اتحاد کبھی نہیں ٹوٹتا۔ وہ انصاف کے راستہ کو کبھی نہیں چھوڑتے۔ ان کی بے نفسی ان کو ہر اس چیز کی طرف بڑھنے سے روک دیتی ہے جو دنیا و آخرت میں برباد کرنے والی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کا راز بے نفسی ہے۔ اور کوئی آدمی بے نفس بنا ہے یا نہیں، اس کا سب سے بڑا ثبوت تنظیم کے ذریعہ ملتا ہے۔ تنظیمی زندگی میں اپنے کو باندھنا اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آدمی نفسانی محرکات سے اوپر اٹھ گیا ہو۔ وہ تنقید اور تعریف سے بلند ہو۔ وہ اختلاف اور اتفاق کی بنیاد پر کسی کے بارے میں رائے قائم نہ کرتا ہو۔ اس کا رویہ پسند ناپسند کی بنیاد پر نہ بنتا ہو۔ وہ اس سے بے نیاز ہو چکا ہو کہ کیا ملا اور کیا نہیں ملا۔ تنظیمی زندگی میں اس طرح کے مواقع بار بار آتے ہیں۔ اگر آدمی ان چیزوں سے اوپر اٹھا ہوا نہ ہو تو وہ اسی قسم کی باتوں میں الجھ کر رہ جائے گا اور تنظیم کی پابندی کو قبول کرنے میں ناکام رہے گا۔

اللہ کے مومن بندوں پر اللہ کی دو سب سے بڑی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کی نصرت کے مستحق بن جاتے ہیں، وہ دنیا میں اپنے مخالفین کے مقابلہ میں خدا کی مدد سے غالب آتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ موت کے بعد وہ جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ کی یہ دونوں نعمتیں صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ کی خاطر اپنی انفرادیت کو ختم کر کے اجتماعیت کے بندھن میں بندھ جائیں اور اس کے تحت اپنی دینی اور اخلاقی زندگی کو منظم کریں۔

جو لوگ اپنے آپ کو اللہ میں اس طرح شامل کریں کہ اپنی انفرادیت کو وہ اس کے حوالے کر دیں، ان کی طاقت بے پناہ ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ان کے درمیان وہ تمام اسباب بالکل ختم ہو جاتے ہیں جو ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والے ہیں۔ اجتماعیت کو توڑنے والی چیز انفرادیت پر اصرار ہے اور اپنی انفرادیت کو اللہ کے حوالے کر کے پہلے ہی وہ اس سے اوپر اٹھ چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کا پورا گروہ ایک متحدہ طاقت میں ڈھل جاتا ہے۔ اور جہاں اتحاد ہو وہاں مغلوبیت کا گزر نہیں۔

جو لوگ انفرادی قربانی کی سطح پر دین کو اختیار کریں، ان کی زندگی خدا رخی زندگی بن جاتی ہے۔ وہ اس شاہ راہ پر چل پڑتے ہیں جو خدا کی قربت اور اس کی جنت کی طرف جانے والی ہے۔ ان کا سفر کبھی کھوٹا نہیں ہوتا، وہ کبھی راستہ کے دائیں بائیں نہیں مڑتے۔ وہ دین کے سیدھے راستے پر چلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ خدا کی جنت میں پہنچ جاتے ہیں۔

محنت کی کمائی سب سے بہتر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا —— اے خدا کے رسول، سب سے بہتر کمائی کون سی ہے۔ آپ نے جواب دیا: ہاتھ کی کمائی (عمل الید)

کمانے والا اپنے کو افضل نہ سمجھے

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتا تھا اور دوسرا بھائی گھر کے لیے کمائی کرتا تھا۔ کمائی کرنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ وہ کام نہیں کرتا، مجھ کو تنہا دونوں کے لیے کمانا پڑتا ہے) آپ نے فرمایا: شاید تم کو روزی اسی کے سبب سے ملتی ہو (لعلک ترزق بہ، ریاض الصالحین صفحہ ۲۵)

کسی کی مدد کے لئے دوڑنا بہت بڑی عبادت ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مدینہ کی مسجد نبوی میں معتکف تھے۔ ایک شخص آکر آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھ کر آپ نے اس سے پریشانی کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا: فلاں آدمی کا قرض میرے اوپر ہے۔ اور اس قبر والے کی حرمت کی قسم، میں وہ قرض ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا، پھر کیا میں اس قرض خواہ سے بات کروں۔ آدمی نے کہا ضرور۔ آپ فوراً مسجد سے نکل کر چلنے لگے ۔ آدمی نے کہا، آپ تو اعتکاف میں ہیں، کیا آپ بھول گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا نہیں، میں بھولا نہیں ہوں۔ بلکہ میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے، اور یہ ابھی گویا کل کی بات ہے، یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت کے لئے چلے اور اس میں پوری کوشش کرے تو اس کا یہ عمل دس سال اعتکاف کرنے سے بہتر ہے (من مشی فی حاجۃ اخیہ و بلغ فیہا کان خیرا من اعتکاف عشر سنین، بیہقی)

اللہ پر بھروسہ سب سے بڑی طاقت ہے

اسلاف میں سے بعض بزرگوں نے فرمایا: جو یہ خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی بن جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرے (من سرہ ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ)

ایمان داری کے ساتھ شرکت کرنے والوں کا ساتھی خدا ہوتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب دو آدمی مل کر کام کرتے ہیں تو میں ان دو کا تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے۔ پھر جب ان میں سے کوئی خیانت کرے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں اور اس کے بعد وہاں شیطان آ جاتا ہے۔

نیچے والوں کی ضرورت اوپر والوں تک پہنچاؤ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حاکم تک ایسے شخص کی

ضرورت پہنچادی جو خود نہیں پہنچا سکتا تھا، اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کو ثابت قدم رکھیں گے جب کہ لوگوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے (من ابلغ ذا سلطان حاجة من لا یستطیع ابلاغه ثبت الله قدمه على الصراط یوم تزل الاقدام، رزین دینار)

دینے والے کو دیا جاتا ہے

ایک حدیث قدسی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم، خرچ کرو تو تمہارے اوپر خرچ کیا جائے گا (انفق یا ابن آدم ینفق علیك، رواه البخاری ومسلم)

سب سے زیادہ ضرورت کے وقت سب سے زیادہ بے سہارا

حضرت عمر نے ایک روز کہا کہ رات میں نے ایک ایسی آیت پڑھی جس نے ساری رات مجھے سونے نہیں دیا:
ایود احدكم ان تكون له جنة من نخیل واعناب ۔ ۔ ۔ ۔ بقرہ - ۲۶۶

آپ نے لوگوں سے پوچھا، اس کا مطلب کیا ہے، کسی کے لئے یہ محض کھجوروں اور انگوروں کی مثال تھی، کسی کے نزدیک یہ ایک پر اسرار آیت تھی جس کے لئے صرف اللہ اعلم کہنا کافی ہو۔ مجلس میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی تھے جو چپکے چپکے کچھ کہہ رہے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اے میرے بھتیجے! کہو اور اپنے کو حقیر نہ سمجھ۔ انھوں نے کہا اس سے عمل مراد لیا گیا ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کیسے۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا: ایک چیز میرے دل میں القا کی گئی اور میں نے کہہ دیا (شیئ القی فی روعی فقلته) حضرت عمر نے کہا، اے میرے بھتیجے تو نے سچ کہا:

متی یها العمل، ابن آدم افقر ما یکون الی جنة اذا کبر سنه وکثرت عیاله وابن آدم افقر ما یکون الی عمله یوم القیامة

اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے، اس سے عمل مراد ہے۔ انسان اس وقت باغ کا زیادہ محتاج ہوتا ہے جب اس کی عمر بڑی ہو جائے اور اولاد زیادہ ہو جائے۔ اور انسان اپنے عمل کا زیادہ محتاج ہوگا قیامت کے دن،

سب سے بڑا صدقہ وہ ہے جو سب سے کمزور پر کیا جائے

حضرت سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا: اپنی اس لڑکی کے ساتھ سلوک کرنا جو بیوہ یا مطلقہ ہونے کی وجہ سے تمہاری طرف لوٹا دی جائے اور جس کے لئے کمانے والا تمہارے سوا کوئی نہ ہو (ابنتك مردودة الیك لیس لها كاسب غیرك، ابن ماجہ)

دنیا کو بے حقیقت سمجھنا سب سے بڑی عقلمندی ہے

امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ مرنے کے بعد میرا مال سب سے زیادہ سمجھ دار آدمی (اعقل الناس) کو دیا جائے تو مرنے کے بعد اس کا مال اس شخص کو دینا چاہئے جو دنیا کے معاملہ میں سب سے زیادہ زاہد ہو (تنبیہ المغترین شعرانی)

انفاق

قرآن میں انفاق پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے: تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے (آل عمران ۹۲) اور جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل کرتے ہیں، یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے، بلکہ یہ ان کے حق میں نہایت برا ہے۔ جس چیز میں وہ بخل کر رہے ہیں اس کا قیامت کے دن ان کو طوق بہنایا جائے گا۔ اور زمین و آسمان کی وراثت اللہ ہی کے لئے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے (آل عمران ۱۸۰)

اے ایمان والو، جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔ اور جو انکار کرنے والے ہیں وہی (اصل) ظالم ہیں (بقرہ ۲۵۴)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور اس کی ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، انھیں کے لئے اللہ کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس۔ ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ نرم جواب دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری لگی ہوئی ہو۔ اور اللہ بے پروا اور نہایت تحمل والا ہے۔ اے ایمان والو، احسان جتا کر اور دکھ دے کر اپنی خیرات کو اکارت نہ کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی ہو، پھر جب اس پر زور کا مینھ برسا تو مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنی کمائی سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے، اور اللہ منکروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دلوں کو ثابت کر کے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی طرح ہے جو بلند زمین پر ہو، اس پر زور کی بارش ہوئی تو وہ دگنا پھل لایا، اور اگر بارش نہ ہوئی تو پھوار ہی کافی ہے۔ اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس باغ میں اس کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں، اور اس پر بڑھاپا آجائے اور اس کے بچے ضعیف ہوں، اس وقت باغ پر ایک بگولا آپڑے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے۔ اللہ اس طرح اپنی باتیں تمھارے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ اے ایمان والو، اپنے کمائے ہوئے ستھرے مال میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمھارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لئے بری چیز چھانٹنے لگو، حالاں کہ وہی چیز اگر تمھیں لینا ہو تو تم ہرگز اس کو لینا گوارا نہ کرو مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا

ہے۔ شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے اور اللہ تم کو وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا۔ اور اللہ بہت وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اس کو بہت بڑی خوبی مل گئی، اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (البقرہ ۲۶۸ - ۲۶۹)

آخرت کی بہتر چیز دنیا کی بہتر چیز کی قیمت ہے۔ دنیا میں جب آدمی اپنی سب سے بہتر چیز کو اللہ کے لئے خرچ کرتا ہے، اس کے بعد ہی وہ اس قابل بنتا ہے کہ وہ آخرت کی سب سے بہتر چیز کو پانے کا حق دار بن سکے۔ دنیا میں آدمی کی سب سے زیادہ محبوب چیز مال ہے۔ جب تک ایسا نہ ہو کہ وہ خالص خدا کے لئے اپنے محبوب مال کو خرچ کرے، وہ خدا کی رحمتوں کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

جو آدمی اپنے کمائے ہوئے مال کو بچاتا ہے یا اس کو اپنی دنیا بنانے میں لگاتا ہے وہ بظاہر سمجھتا ہے کہ میں ہوشیاری کر رہا ہوں، میں اپنے مستقبل کو محفوظ کر رہا ہوں۔ حالانکہ اصل صورت حال اس کے برعکس ہے۔ آدمی اگر موت کے پردہ کو ہٹا دے اور پورے دائرہ حیات کے اعتبار سے اپنے معاملہ کو دیکھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں اپنا "گھر" بنا کر وہ آخرت کے طویل تر مرحلۂ حیات میں اپنے کو "بے گھر" کر رہا ہے۔ وہ اپنے کو اس خطرہ میں مبتلا کر رہا ہے کہ دنیا میں اس کی مال داری آخرت میں اس کے لئے بدترین مفلسی بن کر اس سے لپٹ جائے۔ کیوں کہ آخرت میں جو کچھ کام آئے گا وہ دیا ہوا مال ہے نہ کہ دنیا میں جمع کیا ہوا مال۔

دنیا میں اللہ نے ایسی مثالیں قائم کر دی ہیں جن سے آخرت کے معاملہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ کسان کھیت میں دانہ ڈالتا ہے تو ایک دانہ ایسے پودے کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں سات سو دانے ہوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کسی بندے کی محنت کا بدلہ دینے میں کتنا زیادہ فیاض ہے۔ یہی معاملہ وہ آخرت میں بھی اپنے وفادار بندوں کے ساتھ کرے گا۔ اللہ کے لئے خرچ کرنا گویا آخرت کی زمین میں "دانہ" ڈالنا ہے۔ جب آدمی مرکر وہاں پہنچے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا خرچ کیا ہوا مال کس طرح بے انتہا اضافہ کے ساتھ اس کی طرف لوٹایا جا رہا ہے۔

خرچ کرنے والوں کی بقیہ قسموں کی مثالیں بھی اسی دنیا میں موجود ہیں۔

جو لوگ اپنا مال "دکھاوے" کے لئے خرچ کرتے ہیں یعنی بظاہر ان کا خرچ دین کی کسی مد میں ہوتا ہے مگر اس دینی مد سے انھیں صرف اس لئے دلچسپی ہوتی ہے کہ اس میں نمائش کا پہلو ہے اور اس سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دین کی خاموش مد جس میں خدا کی رضا کے سوا کوئی اور پہلو نہ ہو اس میں وہ خرچ نہیں کرتے۔ البتہ ایسی مد جس میں شہرت و عزت کی چاشنی ہو اس میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسے نمائشی لوگوں کی مثال اس پتھر کی سی ہے جس کے اوپر اتفاقاً کچھ مٹی جمع ہو جائے اور اس کی وجہ سے وہاں اوپر اوپر کچھ سبزہ اگ آئے۔ مگر جب تیز بارش آتی ہے تو اوپر کی مٹی سبزہ کو لئے ہوئے بہہ جاتی ہے اور اس کے بعد پتھر کا پتھر باقی رہتا

ہے۔ اسی طرح جو لوگ نمائشی جذبہ کے تحت خرچ کرتے ہیں ان کا معاملہ موجودہ امتحانی دنیا میں چھپا رہ سکتا ہے۔ مگر آخرت میں جب حقیقت سے پردہ اٹھایا جائے گا تو ان کی نمائشی دین داری اچانک غائب ہو جائے گی اور وہ دھلے ہوئے پتھر کی طرح دین سے بالکل خالی نظر آنے لگیں گے۔

جو لوگ اپنی ساری کمائی صرف دنیا کی تعمیر میں لگاتے ہیں ان کے انجام کی مثال بھی اسی دنیا میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک شخص نے باغ لگایا۔ اس کے بڑھاپے کی عمر تک باغ خوب سرسبز ہو گیا۔ پھلوں کا موسم آیا تو سارا باغ پھلوں سے لد گیا۔ عین اس وقت شدید اولہ باری ہوئی یا صحرائی طوفان اٹھا اور سارا باغ جھلس کر رہ گیا۔ اپنی زندگی کی کمائی سے آدمی ٹھیک اس وقت محروم ہو گیا جب کہ اس کو سب سے زیادہ اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح جو لوگ اپنی ساری طاقت اپنی دنیا بنانے میں لگاتے رہے وہ مرکر جب آخرت میں پہنچیں گے تو اچانک وہ دیکھیں گے کہ وہ بالکل خالی ہاتھ ہیں۔ وہاں کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں۔

اللہ کی راہ میں دینے کی دو بڑی مدیں ہیں۔ ایک خدا کے کمزور بندوں کی مدد کے لئے دینا، خواہ وہ اپنے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار۔ دوسرے، خدا کے دین کی ضرورتوں میں دینا۔

یہ دینا بظاہر اگرچہ ایک انسان کو دینا ہے۔ مگر نیت کے اعتبار سے اس کا مقصد اللہ کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ جب ایک مسلمان اپنے کو "دینے والے" کی حیثیت میں پاتا ہے اور دوسرے کو "پانے والے" کی حیثیت میں تو اس کو وہ بھاری وقت یاد آجاتا ہے جب کہ وہ میدان حشر میں اس حالت میں کھڑا ہوگا کہ دینے کی سب چیزیں خدا کے اختیار میں ہوں گی اور وہ ہمہ تن محتاج بنا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہوگا۔ یہ احساس اس کو مجبور کرتا ہے کہ جو کچھ وہ خدا سے اپنے لئے چاہتا ہے وہی وہ دوسرے کے لئے بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مومن کے لئے ایک عملی دعا ہوتی ہے۔ یہ جذبہ اگر آدمی کے اندر صحیح طور پر موجود ہو تو وہ کسی کو دینے کے لئے بہتر چیز چھانٹے گا۔ کیونکہ اصل مسئلہ سامنے کھڑے ہوئے انسان کا نہیں بلکہ خدا کا ہے۔ دیتے ہوئے اس کا جذبہ یہ نہیں ہوگا کہ وہ کسی کے اوپر احسان کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ جو کچھ دے رہا ہے اللہ کے لئے دے رہا ہے، پھر اس کا احسان کس کے اوپر ہے۔ وہ نہیں کو دے گا اس کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھے گا اور زبان سے اس کی دلآزاری کا کوئی کلمہ نہیں نکالے گا۔ سارے معاملہ کو خدا کا معاملہ سمجھنے کا ذہن اس کو ہر موقع پر متواضع بنائے رکھے گا جتنی کہ جب کوئی سائل اس کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو اس کو ایسا محسوس ہوگا جیسے اس کو خدا نے اپنی طرف سے بھیجا ہو۔ یہ احساس اس کو کسی کو جھڑکنے سے روک دے گا۔ اگر وہ کسی کو دینے والا نہ ہو تو وہ اس کو نرمی کے ساتھ جواب دے گا نہ کہ وہ اس کو جھڑکنے لگے۔

اللہ کے لئے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ فوراً دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے نفس کہتا ہے کہ یہ بے فائدہ خرچ ہے۔ دنیا کی راہ میں خرچ اس کو لوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ ضائع ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر جن لوگوں کو صحیح سمجھ حاصل ہو جاتی ہے وہ نفس کے ان بہکاووں میں نہیں آتے۔ وہ صاف جان لیتے ہیں کہ سب سے زیادہ نفع آور مد وہی ہے جو خدا کی مد ہے۔

عربی مطبوعات

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں:

۱- الإسلام يتحدى	۲۶۳ صفحات	قیمت ۲۰	روپے
۲- الدين في مواجهة العلم	۱۱۲ صفحات	" ۱۰	روپے
۳- حكمة الدين	۸۷ صفحات	" ۸	روپے
۴- الإسلام والعصر الحديث	۷۷ صفحات	" ۸	روپے
۵- مسئولية الدعوة	۳۹ صفحات	" ۲	روپے
۶- نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية	۲۶ صفحات	" ۲	روپے
۷- إمكانات جديدة للدعوة	۳۴ صفحات	" ۲	روپے
۸- الشريعة الإسلامية وتحديات العصر	۳۲ صفحات	" ۲	روپے
۹- المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل	۷۲ صفحات	" ۵	روپے
۱۰- نحو بعث إسلامي	۳۲ صفحات	" ۵۰	پیسے

فسادات کا مسئلہ

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۳۲ قیمت دو روپے

مکتبہ الرسالہ جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

پندرہ روزہ

ترجمان

کتاب وسنت کا داعی ونقیب

زر تعاون سالانہ پندرہ روپے

دفتر اخبار ترجمان

پوسٹ بکس نمبر 1306 دہلی — ۶

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

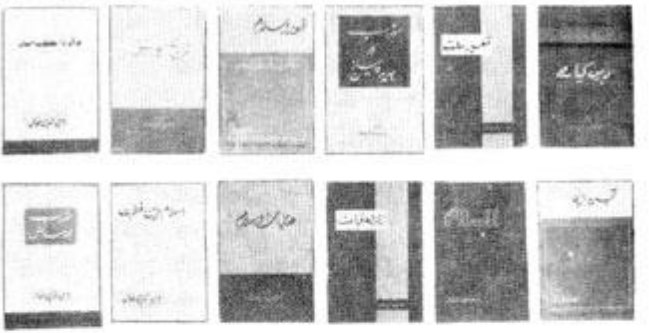

• دین کیا ہے
صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے

• تعمیر ملت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

• ظہورِ اسلام
صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے

• تاریخ کا سبق
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

• مذہب اور سائنس
صفحات ۶۷ قیمت ۴/- روپے

• تجدید دین
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

• الاسلام
صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۵/- روپے

• زلزلۂ قیامت
صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے

• عقلیاتِ اسلام
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

• فسادات کا مسئلہ
صفحات ۳۲ قیمت ۲/- روپے

• مذہب اور جدید چیلنج
صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۵/- روپے

• اسلام دینِ فطرت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

• اسلامی دعوت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے

• قرآن کا مطلوب انسان
صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵۰ روپے

• راہیں بند نہیں
صفحات ۴۸ قیمت ۳/- روپے

مکتبہ الرسالہ۔ جمعیۃ بلڈنگ۔ قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی ۶

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی سے شائع کیا

کھوئی ہوئی طاقت و توانائی حاصل کرنے کے لیے
لحمینہ پیجیے! جسے بارہ سو سے زیادہ
دوائیں بنانے والے ہمدرد نے طویل عرصہ کی
تحقیق اور تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔

لحمینہ

سرگرم اور پُرجوش زندگی گزارنے کے لیے

لحمینہ میں چالیس اجزا کا مرکب ہے جو
عضلات اور اعصاب کو نئی قوت و تازگی دیتے اور
ان کو صحیح کارکردگی کے لیے متحرک کرتے ہیں۔ آپ کو
اگر ایک بہت و توانا جسم کی ضرورت ہے تو لحمینہ آزمائیے۔
دیکھیے آپ کامیاب پائیں گے اور نتیجہ میں آپ بھی کامیاب ہوں گے۔

لحمینہ
مردوں اور عورتوں کے لیے
کلیدی اعضاء کی قوت

ہمدرد

EGD. NO. D. (D) 532
EGD. R. N. NO. 28822/76

December 1980
Issue No. 49

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231